نُصرۃ میگزین

ستمبر- اکتوبر 2011ء



کیا پاکستان کی معیشت
مغربی امداد پر منحصر ہے؟

افواجِ پاکستان کے خلاف
غدار حکمرانوں کی صلیبی جنگ





نُصْرَۃ میگزین

ستمبر - اکتوبر 2011ء

Index

www.hizb-ut-tahrir.org www.hizb-ut-tahrir.info

اُمت کا سکون اور بغاوت کی موجودہ لہر

مسلم دُنیا یقینی طور پر ایک عرب بغاوت کو نہیں دیکھ رہی بلکہ یہ ایک مسلم بغاوت ہے اور یہ بغاوت اسلام کیلئے ہے۔ مسلم دُنیا، مشرق سے لے کر مغرب تک، تیونس اور لیبیا، شام اور فلسطین سے لے کر اُزبکستان اور انڈونیشیا تک، ایک ہی آواز بلند کر رہی ہے کہ مسلمان اسلام چاہتے ہیں اور جمہوریت اور آمریت کو رد کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے غلبے کی خواہش رکھتے ہیں اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو رد کرتے ہیں، کرپٹ کفریہ نظام کسی بھی قسم کی اصطلاحات، زخموں پر مرہم رکھنے اور سکون دینے کے قابل نہیں کیونکہ یہ مسلم اُمہ کے عقیدہ اور اقدار سے ٹکراتا ہے۔ صرف مسلم دُنیا میں نہیں حقیقت میں پوری دُنیا میں اس کے لئے کہیں جگہ نہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام ہی ہے جس نے پوری دُنیا کو ظلم کے اندر جکڑ رکھا ہے۔ اس نے چند لوگوں کی نہ ختم ہونے والی آسائشوں کیلئے اکثر کو بنیادی ضرورتوں سے محروم کر رکھا ہے۔ امریکہ معاشی تباہی کا سامنا کر رہا ہے، جبکہ برطانیہ غربت سے تنگ لوگوں کی شورش کا سامنا کر رہا ہے جو کہ جاگیردارانہ دور میں کسانوں کی بغاوت کی یاد دلاتا ہے۔ پوری مسلم دُنیا کی آواز ایک ہی ہے اسلام، شریعت، خلافت البتہ قربانیوں اور جدوجہد کی داستانیں مختلف جگہوں پر مختلف ہیں۔ کچھ علاقوں میں اسلام کی ضرورت پر بحث ہر جگہ پھیل چکی ہے جبکہ دوسرے کئی علاقوں میں مسلمان گلیوں اور چوراہوں پر ہیں، کچھ علاقوں میں مسلمانوں کو جیل میں ڈالا گیا ہے اور ان ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں اغوا اور تشدد کا مقابلہ کر رہے ہیں جیسا کہ پاکستان اور ترکی میں، جبکہ کئی علاقوں میں مسلمان شہادت کا رُتبہ حاصل کر چکے ہیں جیسا کہ شام اور ازبکستان میں۔ یہ حالات دین کے آغاز اور پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے دور کی یاد دلا رہے ہیں، جب مسلمانوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے جرم میں تشدد، قید و بند اور شہادت کا سامنا تھا۔ اور اُس وقت ظالموں کا ظلم اور بڑھ جاتا ہے جب اُن کے کئے ہوئے اقدامات اسلام کو دبانے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف یہ ظلم مسلمان داعیوں کو حقیقت میں اور مضبوط بنا دیتا ہے۔ ہر قتل اور ظلم سے ظالموں کا جھوٹ اور جبر اور واضح ہو جاتا ہے جبکہ حق اور مسلمانوں کا اخلاص اور زیادہ چمکنے لگتا ہے۔ اور پھر اور صرف تب ہی، مظالم اور قربانیوں کی انتہا پر ہی، اللہ تعالی اپنے معاملے کا فیصلہ کرتا ہے، جب حالات اتنے برے ہو چکے ہوتے ہیں کہ بعض لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ایسی تبدیلی کیونکر نمودار ہو گی۔ جیسا کہ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کی انتہاء کے وقت مدینہ کے انصار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پھر آپ ﷺ کو نصرت (عسکری مدد) دی تا کہ اسلامی ریاست کو قائم کیا جا سکے، تب اسلام عدل اور رہنمائی کے مینار کے طور پر اُبھرا، انسانیت کیلئے رحمت کے ایک طویل دور کی طرف۔ مسلم اُمہ مسلم افواج میں موجود مخلص افسران، جو کہ آج کے انصار ہیں، کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے جن کی ہتھیاروں کے بل بوتے پر ان ظالم حکمرانوں کا وجود باقی ہے۔ یہ اُمت کے وہ بیٹے ہیں جو اسلامی ریاست کے قیام کے ذریعے چند گھنٹوں میں اس اٹھی ہوئی لہر کو ساحل دے سکتے ہیں، اور ان کی تحریک کو تعبیر دے سکتے ہیں۔ یہ وہ بیٹے ہیں جو مظلوم انسانیت کیلئے اسلام کو رحمت بنا کر اُٹھا سکتے ہیں اور مسلم اُمہ کے دلوں کو سکون دینے کا اعزاز حاصل کر سکتے ہیں۔

کرم ایجنسی میں فوجی آپریشن

فوجی قیادت میں موجود امریکی ایجنٹ کرم ایجنسی میں فوجی آپریشن کے ذریعے مسلمانوں کو بارود کے ڈھیر میں دفن کر رہے ہیں، دوسری جانب سیاسی قیادت بجلی، پٹرول، گیس کے مصنوعی بحران، گرینڈ الائنس کی سیاسی نوراکشتی اور کراچی میں سرکاری سرپرستی میں قتل عام جاری رکھ کر عوام کی اس غداری سے توجہ ہٹانے میں مشغول ہیں۔ یوں فوجی اور سیاسی قیادت کے غدار مل کر امریکی ایجنڈے کو انتہائی چالاکی سے پورا کرنے میں مشغول ہیں۔ اس آپریشن میں اب تک سینکڑوں مسلمانوں کو جیٹ جہازوں کی بمباری، گن شپ ہیلی کاپٹروں کی فائرنگ، مارٹر شیلنگ اور دیگر ذریعوں سے قتل کیا جا چکا ہے، جبکہ کئی درجن مسلمان فوجی بھی اس امریکی جنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ شمالی وزیرستان سمیت قبائلی علاقے میں آپریشن کا مطالبہ امریکہ کا دیرینہ مطالبہ تھا، اور کرم ایجنسی میں آپریشن شروع کر کے غدار قیادت، امریکہ کے سامنے ایک بار پھر جھک گئی ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ کرم ایجنسی آپریشن کے نام پر اس آپریشن کو شمالی وزیرستان تک وسعت دے دی جائے کیوں شمالی وزیرستان، کرم ایجنسی کے سنگم پر ہی واقع ہے۔ اور حالیہ آپریشن ٹل سے بگن تک کی شاہراہ کو چھڑوانے کے بجائے دیگر علاقوں میں کیا جا رہا ہے۔ سیاسی قیادت اس دوران فرعون کے جادوگروں کی طرح اپنے جادوؤں کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنانے میں مگن ہیں۔ سی این جی گیس، جس کی سردیوں میں دو دن کی لوڈ شیڈنگ ہوتی تھی گرمیوں میں اس کا دورانیہ ڈھائی دن تک بڑھا دیا گیا، حالانکہ گیس اپلائنسز کی اکثریت صرف سردیوں میں استعمال ہوتی ہے۔ کسی ذی شعور شخص کو اس بحران کے مصنوعی ہونے کیلئے مزید کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں۔ بجلی کے مصنوعی بحران کی قلعی پہلے ہی کھل چکی ہے جب کرکٹ میچوں، عید اور دیگر موقعوں پر پورے ملک میں ایک ہی وقت میں بجلی جادو کے چراغ کے ذریعے دستیاب ہو جاتی ہے۔ یہی حال پٹرول کا ہے جب 20 دن کے ذخیرے رکھنے کی پابند کمپنیوں کا سارا سٹاک ایک دن میں ختم ہو جاتا ہے جبکہ دوسری طرف پاکستان ہی کی آئل ریفائنریاں نیٹو کو لاکھوں گیلن تیل کی ترسیل جاری رکھتی ہیں۔ چنانچہ مسلمان مارنے کے لئے تیل کی کوئی قلت نہیں لیکن مسلمانوں کو دینے کے لئے تیل کی بوند تک نہیں! اسی طرح کراچی کے قتل عام کے ذریعے ایجنٹ قیادت نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ امریکی جنگ سے عوام کی توجہ ہٹانے کیلئے اپنے سینکڑوں شہروں کو قتل کرنے سے ہرگز دریغ نہیں کرتی۔ عوام جان چکے ہیں کہ گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان کو نت نئے مصنوعی بحرانوں سے محض اس لئے گزارا جا رہا ہے تا کہ غدار اپنی غداری پر پردہ ڈال سکیں۔ اے افواج پاکستان کے مخلص افسرو! فوجی اور سیاسی قیادت میں موجود ایجنٹوں کو غیرت چھو کر بھی نہیں گزری۔ یہ تمہارا اور تمہارے مسلمان بھائیوں کا خون "کولیشن سپورٹ فنڈ" کے رکے ہوئے چند ڈالروں کو دوبارہ جاری کرنے کیلئے بہا رہے ہیں۔ اٹھو اور خلافت کے قیام کے ذریعے جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا کو ایک خلافت میں پرو دو، نظر اٹھاؤ اور دیکھو کہ مشرق وسطیٰ کے نوجوان گلیوں اور چوراہوں میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں!!!

⊗⊗⊗

عمران یوسف زئی (پاکستان میں حزب التحریر کے ڈپٹی ترجمان)

کیا پاکستان کی معیشت مغربی امداد پر منحصر ہے؟

امریکہ سے اتحاد توڑنے کی بڑھتی ہوئی بحث کے ساتھ ہی امریکی ایمبیسی کے ایجنٹ یا وکی لیکس کی زبان میں 'Contacts' پوری قوت کے ساتھ پاکستان کے عوام کو یہ باور کروانے میں مصروف ہو گئے ہیں کہ پاکستان غیر ملکی امداد کا نشئی ہے اور امریکی قرضوں کے بغیر ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔ پچھلے دنوں ایک دانشور جو اعداد و شمار کے ذریعے بات کرنے کے 'ماہر' سمجھے جاتے ہیں، پاکستان کے تجارتی خسارے کے ذریعے اس امر کو 'ثابت' کرتے رہے۔ یہی حال ہمارے بعض ایسے دوستوں کا ہے جو 'contacts' کے زمرے میں تو نہیں آتے مگر مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور ان کے نظریات سے مرعوبیت کے باعث ان سے زیادہ دور بھی نہیں۔ یہ دوست ہمیں ہماری برآمدات کی مغربی منڈیوں سے وابستگی اور تیل و خوراک کی بین الاقوامی منڈیوں سے درآمد پر ہمارے انحصار کے باعث ہمیں امریکی 'قہر' سے ڈرانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ آج اس موضوع کو زیر بحث لانے سے پیشتر ہم اس سرزمین (پاک و ہند) کی معیشت پر نظر ڈالیں گے کہ انگریزوں اور ان کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی آمد سے پہلے اس کی حالت تھی، تا کہ اس موضوع کو مناسب context میں پرکھا جا سکے۔

انگریزوں اور ان کے نظام یعنی سرمایہ داریت کی ہندوستان آمد سے پہلے ہندوستان سونے کی چڑیا اور دنیا کی عظیم معیشت تھا۔ یہ وہ خطہ تھا کہ جس کے سونے و جواہرات اور مصالحہ جات کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کولمبس نے امریکہ دریافت کر لیا۔ یہ وہ علاقہ تھا کہ جس کے ایک شہری، جس کا نام عبدالغفور تھا، کی دولت ایسٹ انڈیا کمپنی سے زائد تھی۔ بنگال کے جگھت سیٹھوں کی دولت بینک آف انگلینڈ سے زائد اور جنگ پلاسی (1757) کا مال غنیمت پورے یورپ کے جی ڈی پی سے زائد تھا۔ پرتگال، انگلینڈ اور فرانس کے فوجی بہتر تنخواہوں اور سہولیات کیلئے اپنی فوج سے بھگوڑے بن کر ہندوستان کی فوج کا حصہ بنا کرتے تھے۔ الیگزینڈر ہملٹن لکھتا ہے کہ محمد شاہ تغلق (1325-1351ء)، جس کا دور ہندوستان کی تاریخ کا یادگار ترین دور نہیں، کے دور میں صرف دِلی میں دس ہزار سکول اور 70 ہسپتال تھے، جبکہ بنگال میں چالیس ہزار سکولز تھے یعنی ہر چار سو کی آبادی پر ایک سکول۔ ابنِ بطوطہ لکھتا ہے کہ ممبئی کے ایک چھوٹے سے علاقے 'حوض' میں مردوں کے 23 اور عورتوں کے 13 سکولز تھے۔ وہاں کے لوگ شافعی مسلک کے پیروکار تھے اور اس علاقے میں ایک بھی عورت ایسی نہیں تھی جس نے قرآن کا حفظ نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ 1880ء تک دنیا میں سٹیل انڈسٹری اور جنگی و تجارتی جہازوں کی سب سے بڑی فیکٹریاں ہندوستان میں تھی جہاں انگریز اپنے لئے جہاز بنواتے تھے۔ اور جب ہندوستان کے جہاز زرعی اجناس اور مصالحہ جات لے کر لندن پہنچتے تو جہازوں کی ہیبت سے ان پر خوف طاری ہو جاتا۔ اس سے بڑھ کر ہندوستان کی خوشحالی کا کیا ثبوت ہوگا جس کا ذکر لارڈ میکالے نے 1835ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کیا: ''میں نے ہندوستان کے طول و عرض کا دورہ کیا ہے اور میں نے کوئی ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو فقیر ہو یا چور ہو، میں نے وہاں وہ دولت دیکھی ہے، وہ بلند اخلاقی معیار، اور اتنے عمدہ لوگ، کہ میں نہیں سمجھتا کہ ہم اس ملک پر کبھی بھی قابض ہو سکیں گے تا آنکہ ہم اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی نہ توڑ ڈالیں جو کہ ان کا روحانی اور ثقافتی ورثہ (دین اسلام) ہے...''

پاکستان اسی ہندوستان کا حصہ ہے، اس کی زمینیں آج بھی وہی بلکہ اس سے بڑھ کر سونا اگلتی ہیں، اس کی باشندے اسی طرح محنت کش اور ہنر مند ہیں، اس کی زمین کے نیچے چھپے خزانے اور کثرت کے ساتھ سامنے آئے ہیں، یہ زمین دریاؤں اور ندی نالوں سے لبریز اور توانائی کے لامحدود وسائل کی حامل ہے۔ لیکن اس زمین پر اب ایک لعنت مسلط ہو چکی ہے جس کے باعث یہ زمین یہاں کے باشندوں کی ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہے اور وہ لعنت استعماری سرمایہ دارانہ نظام ہے جو ان وسائل کو چند ہاتھوں میں جمع کر کے، جن میں سے اکثر ہاتھ استعماری ممالک کے ہیں، یہاں کے اکثر باسیوں کو دو وقت کی روٹی سے بھی محروم کر چکا ہے۔ ہمارے کرپٹ اور ایجنٹ حکمران دراصل اسی نظام کی پیداوار ہیں، اصل جڑ یہ نظام ہے۔ آیئے ایک اچٹتی سی نگاہ پاکستان کے وسائل پر بھی ڈال لیں تا کہ ہمیں اندازہ ہو کہ اس نظام نے ہمیں کہاں لا کھڑا کیا ہے:

پاکستان کی آبادی 18 کروڑ ہے، جس میں 25 سال سے کم عمر افراد کی نوجوان آبادی 60% سے بھی زائد ہے، یہ دنیا میں کسی ایک ملک کی چھٹی بڑی آبادی ہے، جرمنی اور فرانس کی مشترکہ آبادی سے زائد۔ ہمارا رقبہ 8 لاکھ مربع کلومیٹر سے زائد ہے، جرمنی اور برطانیہ کے مشترکہ رقبے سے زائد۔ 1046 کلومیٹر کا ساحل کہ ایسے ساحل کیلئے کئی بڑی طاقتیں ترستی ہیں۔ دنیا کی دسویں بڑی لیبر فورس، بہترین محل وقوع، اور سرزمین جس میں دنیا کی بلند ترین چوٹیاں بھی ہیں، وسیع میدان بھی اور بڑے صحرا بھی۔

پاکستان توانائی کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ پاکستان میں موجود تھر کول کے ذخائر کی مالیت کا تخمینہ 25,000 ارب ڈالر ہے۔ جو کہ ہمارے بیرونی قرضوں سے 420 گنا زائد ہے۔ حال ہی میں جاری (Alloted) تھر کے ذخائر کے ایک بلاک پر کئے جانے والے ٹیسٹ کی رپورٹس نے ان اندازوں کو مزید مضبوط کیا ہے۔ یہ بلاک پاکستانی کمپنی اینگرو (Engro) کو جاری کیا گیا ہے۔ 184 ارب میٹرک ٹن کے یہ کوئلے کے ذخائر صحرائے تھر میں 9 ہزار کلومیٹر پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں موجود توانائی سعودی عرب اور کویت کے مشترکہ تیل کی توانائی سے زائد ہے۔ گیس کے ذخائر کے سلسلے میں حال میں کچھ بہت اہم دریافتیں (Discoveries) ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک 100 ٹریلین مکعب فٹ کے ٹائیٹ گیس کا ذخیرہ سوئی کے علاقے میں دریافت ہوا ہے، جس کو حکومت پاکستان نے دانستہ طور پر چھپا کر رکھا ہوا تھا جس کا اقرار 20 جون 2011 کو قومی اسمبلی میں پٹرولیم کے وزیر ڈاکٹر عاصم حسین نے کیا۔

تقریباً 215 ٹریلین مکعب فٹ گیس جنوبی بلوچستان اور ساحلی خطے میں موجود ہے۔

جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے تو پاکستان میں ایلومینیم 74 ملین ٹن، تانبا 500 ملین ٹن، زنک 46 ملین ٹن، لوہا 600 ملین ٹن، جپسم 350 ملین ٹن، فاسفیٹ 22 ملین ٹن، چاندی بیسیوں ٹن جبکہ ماربل، قیمتی پتھروں اور عمارتی پتھر کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ صرف سینڈک کے کاپر پروجیکٹ میں 412 ملین ٹن خام تانبا ہے، اس وقت ایک غیر ملکی کمپنی 78 ملین ٹن پر کام کر رہی ہے۔ ریکوڈک کے سونے کے ذخائر اس وقت دنیا کے سب سے بڑے ذخائر میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے تمام بلاکس میں موجود سونے کی مالیت کا تخمینہ، جو کہ دن بدن چڑھ رہی ہے، 500 ارب ڈالر سے 3000 ارب ڈالر تک ہے۔ درست اعداد و شمار حکومت کی ایک غیر ملکی کمپنی سے ملی بھگت اور غیر ملکی کمپنیوں کی اعلیٰ سطح کی دھوکے بازیوں کے باعث دستیاب نہیں۔

پاکستان کی زرعی پیداوار بھی کسی سے کم نہیں۔ پاکستان کا نہری نظام دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے (روس سے تین گنا بڑا)۔ ہماری گندم کی پیداوار (24 ملین میٹرک ٹن) پورے افریقہ (20 ملین ٹن) سے زائد اور پورے جنوبی امریکی براعظم کے برابر ہے۔ حالانکہ ابھی بھی ہماری گندم کی فی ایکڑ پیداوار 2.2 ٹن ہے جبکہ بھارتی پنجاب میں یہ 4 ٹن، میکسیکو میں 5.5 ٹن اور مغربی ملکوں میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کے قابل کاشت رقبے کا 40 فیصد حصہ ابھی تک کاشت نہیں ہو رہا۔ پاکستان دیسی گھی کی پیداوار میں دنیا میں اول نمبر پر، چنے، بھینس کے دودھ، بھینس اور بکری کے گوشت کی پیداوار میں دنیا میں دوسرے نمبر پر، بھنڈی میں تیسرے، خوبانی، آم، کپاس اور بکری کے دودھ میں چوتھے، کھجور، پیاز، مصالحہ جات اور گنے کی پیداوار میں پانچویں، دالوں کی پیداوار میں چھٹے، seasame seed میں ساتویں، گوبھی میں آٹھویں، تیل والے بیجوں، ساگوں اور گندم میں نویں، بکری کے گوشت میں دسویں اور اسی طرح دیگر تمام سبزیوں، فروٹس، انڈوں، پٹ سن اور اجناس میں پہلے بیس ممالک میں شامل ہے۔

پاکستان میں اس وقت سات ہزار کے قریب پی ایچ ڈی اور اندازاً 2 ملین کے قریب انجینئرز اور سائنسدان ہیں۔ جو ان وسائل کو بروئے کار لانے اور پاکستان کے عوام کے اس کا فائدہ پہنچانے کی بھر پور تکنیکی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس قدر وسائل، جو کہ کئی عالمی طاقتوں کے پاس بھی موجود نہیں، کے باوجود اس سرمایادارانہ نظام نے ہمیں بھکاری بنا رکھا ہے۔ اس نظام نے ہمیں ہی نہیں بلکہ ہر اس ملک میں جہاں یہ نافذ ہے یہی تباہی پھیلائی ہے۔ افریقہ جو اسلامی دور حکومت میں خوشحالی کی داستان تھا، سرمایہ دارانہ نظام نے اسے بھوک اور افلاس کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ حتیٰ کہ اس نظام نے یورپ اور امریکہ کے اپنے عوام کو سکھ چین کا سانس لینے نہیں دیا اگرچہ یہ ممالک پوری دنیا کے وسائل چوس رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ کی آبادیوں کا ایک نمایاں حصہ آج بھی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں 37 ملین (تین کروڑ ستر لاکھ) افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ان اعداد و شمار اور حقائق سے یہ بالکل واضح ہے کہ پاکستان نہ صرف وسائل سے مالا مال ہے بلکہ پاکستان اپنے جیسے ایک اور ملک کو بھی کھلانے اور پالنے کا پوٹینشل رکھتا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہم کسی اور ملک پر منحصر ہیں اور نہ ہی کسی اور کا کھاتے ہیں۔ پاکستان کے رواں سال کے بجٹ (2011-12) کے مطابق اس سال پاکستان کو بیرونی قرض کی مد میں 287 ارب روپے وصول ہونگے جبکہ بیرونی قرض (76) اور اس پر سود (243) کی مد میں ہم کل 319 ارب روپے بیرونی ممالک اور اداروں کو ادا کرنے پڑیں گے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل یہ بیرونی ممالک اور ادارے ہیں جو ہمارے پیسوں پر پل رہے ہیں، ہم نہیں! اور اگر ہمیں بیرونی قرضوں اور اس پر سود نہ دینا پڑے تو ہمیں قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جہاں تک ہماری برآمدات کا مغربی منڈیوں سے منسلک ہونے کا تعلق ہے تو ہماری تقریباً 22% برآمدات امریکہ جاتی ہیں اور اس کی وجہ امریکہ کا ہم پر کوئی احسان نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کو اس سے زیادہ پائیدار اور سستی اشیاء اور کہیں سے دستیاب نہیں۔ وگرنہ امریکہ اور یورپ بار بار ہمارے برآمدات پر پابندیاں لگاتے رہتے ہیں اور اس کیلئے مختلف جواز تراشتے رہتے ہیں جیسے چائلڈ لیبر، ماحولیاتی خدشات وغیرہ۔ پاکستان کی معیشت اکثر و بیشتر اس کا مقابلہ کرتی رہی ہے۔

جہاں تک پاکستان کی تیل کی درآمدات کا تعلق ہے جس کا ہمارے بعض دوست تذکرہ کرنا نہیں بھولتے، ان کی یاد دہانی کیلئے عرض ہے کہ پاکستان دنیا سے تیل خیرات میں نہیں لیتا۔ بلکہ مارکیٹ پرائس پر اسے خریدتا ہے جیسا کہ امریکہ اپنے تیل کی ضرورت کا 55 فیصد درآمد کرتا ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت مسلمان ملکوں میں موجود تیل کا حجم 844 بلین بیرل جبکہ غیر اسلامی ممالک کی تیل کا حجم 45 بلین بیرل ہے۔ دنیا کے دس میں سے 7 بڑے ذخائر مسلمانوں کے علاقے میں ہیں۔ مزید برآں پاکستان جیسے ملک پر تیل کی سپلائی بند کرنے کی صورت میں دنیا کا کوئی ملک تیل حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ دنیا کے تیل کے بڑے ذخائر اور اس کی آمدورفت پاکستان کے پچھواڑے میں خلیج فارس اور آبنائے ہرمز سے ہوتی ہے۔ اور کسی کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ پاکستان کی فضائیہ اور نیوی صومالیہ کی بحری قزاقوں سے زائد طاقت رکھتی ہے۔

ہماری معیشت استعماری پالیسیوں کے باعث شدید بحران کا شکار ہے۔ اس پر سہاگہ جمہوریت سے قدرتی طور پر ابھرنے والی کرپشن ہے۔ چونکہ جمہوریت کی قانون ساز اسمبلیاں کھربوں روپے کی کرپشن کا جائز اور قانونی طریقہ کار فراہم کرتی ہیں اس لئے دنیا بھر میں سب سے بڑے کرپٹ اور چور جمہوریت کے ذریعے قانون ساز اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنے راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کر کے اپنے دولت کو دن دوگنی، رات چگنی ترقی دینے کا 'مقدس فرض' پورا کرنے میں جت جاتے ہیں۔ متقی، پرہیزگار، گریجویٹ، نمازی وغیرہ کی تمام شرائط ان کی راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ ہر قوم میں موجود یہ چند کرپٹ جمہوری سیڑھی کے استعمال سے جائز اور قانونی کرپشن کی جڑ بن جاتے ہیں۔ اسی جائز جمہوری کرپشن کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے چند سرکاری ادارے قومی خزانے کو سالانہ 400 ارب کا ٹیکہ لگا رہے ہیں۔ امریکی آپریشنوں کا خرچہ پچھلے سال ہمارے ڈیفنس بجٹ کو 450 سے 800 ارب تک لے گیا۔ پاکستان کے سرکاری سروے (2010-11) کے خصوصی ضمیمہ کے مطابق صرف پچھلے ایک سال میں امریکی جنگ کے باعث معیشت کو 17.8 ارب ڈالر (1528 ارب روپے) کا نقصان ہوا۔ اور امریکہ ہے کہ ہمیں 1.5 ارب ڈالر

سالانہ کی ''خطیر'' رقم دے کر ہماری جان اور مال کا مالک بن جاتا ہے۔ اس سال کے بجٹ کے مطابق پاکستان اس سال ملکی و غیر ملکی قرضوں کے سود کی مد قریباً 1000 ارب روپے کی ادائیگی کریگا۔ جمہوری نمائندوں کی مزاحمت کے باعث ملک اس وقت 300 ارب تک کے زرعی ٹیکس سے محروم ہے کیونکہ ان میں سے بیشتر جاگیردار اور وڈیرے ہیں اور وہ جی ایس ٹی لگا کر عوام کی چمڑی سے دمڑی نچوڑنے کو زیادہ فائدہ مند قرار دیتے ہیں۔ پس اس وقت جمہوریت سے پیدا شدہ کرپشن، امریکی جنگ، اور سود کے باعث ہماری معیشت ہر سال 3500 ارب سے زائد کا نقصان اٹھا رہی ہے، جو ہمارے پورے سال کے بجٹ سے بھی زائد ہے، اور جس خسارے کو اسلامی ریاست مختصر ترین مدت میں ختم کر سکتی ہے۔ یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکی اتحاد سے علیحدگی اور اسلامی ریاست کا قیام پاکستان کو مشکلات نہیں بلکہ خوشحالی اور آزادی کے راستے پر لے کر جائے گا۔

اسلامی ریاست پاکستان کے ان بیش بہا وسائل کو اسلام کی آفاقی آئیڈیالوجی کے ذریعے امت اور اسلام کیلئے ایک زبردست خوشحالی اور طاقت میں بدل دے گی، نہ کہ resource curse میں۔ اسلام کے عوامی وسائل سے متعلق احکامات توانائی اور معدنیات کے ذرائع کو سستے داموں عوام اور معیشت کی ترقی کیلئے پیش کر دیتے ہیں نہ کہ چند ملٹی نیشنل کی لوٹ مار کیلئے، کیونکہ اسلام ان وسائل کی ملکیت کو افراد، کمپنیوں اور ریاست تینوں کیلئے حرام قرار دیتا ہے۔ اس طرح یہ وسائل عوام کی مجموعی فلاح کیلئے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اسلام تمام بلواسطہ ٹیکسوں Indirect Taxes کو ختم کر کے عوام کا ہاتھ خرچ کرنے کیلئے آزاد کر دیتا ہے جو لوگوں کیلئے اطمینان اور خوشی کے ساتھ معیشت کی بڑھوتری کا باعث بنتا ہے۔ اسلام زرعی زمینوں سے متعلق معرکۃ الآرا اصلاحات کے ذریعے پاکستان میں ایک زرعی انقلاب لانے کی پوری طاقت رکھتا ہے۔ ان اصلاحات کے تحت بنجر زمین آباد کرنے پر زبردست سہولت (incentive) یعنی ملکیت بھی مل جاتی ہے۔ اسی طرح تین سال تک کاشت نہ کرنے والے سے زمین واپس لے کر کسی اور کاشت کرنے والے کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ مزارعت کو ممنوع قرار دینے سے جاگیردارانہ نظام کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ یہ مراعات چند سالوں میں پیداوار کو دوگنا کرنے کے ساتھ ساتھ غربت اور مہنگائی میں زبردست کمی کو یقینی بنائیں گی اور پاکستان کو ایک زبردست زرعی قوت میں منتقل کر دیں گی۔ اسلام کرنسی کو سونے اور چاندی پر منتقل کر کے ہماری معیشت کے مالیاتی پہلوؤں میں امریکی اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ افراط زر کی اصل وجہ بھی ختم کر دیتا ہے۔ سود، جواء، پرائز بانڈ، pyrimid schemes، سٹاک ایکسچینج وغیرہ کی بندش سے دولت حقیقی معیشت کا رخ کرے گی اور ایک زبردست انڈسٹیلائزیشن پالیسی کے ذریعے ملک کو ایک طاقتور فوجی صنعت کی بنیاد پر سپر پاور بنانے کی جانب قدم بڑھا کر ہم خود کفالت کی منزل حاصل کر سکتے ہیں۔

پس یہ ظاہر ہے کہ امریکی جنگ سے علیحدگی اور اسلامی ریاست کا قیام پاکستان کیلئے خوشحالی کی سب سے بڑی نوید ثابت ہوگا۔ آٹھ جون، 2011ء کو جاری ہونے والے اکنامک سروے آف پاکستان میں اس امر کا اعتراف حکومتی اور امریکی چاپلوسوں کے موقف کی شکست کا سب سے کھلا اظہار ہے۔ حکومت دہشت گردی کی امریکی جنگ کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے، ''پاکستانی معیشت وار آن ٹیرر کے شدید دباؤ تلے ہے، جو پچھلے چار سالوں میں افغانستان میں شدت اختیار کر چکی ہے۔ 2006 سے یہ جنگ پاکستان کے settled علاقوں میں متعدی وباء کی طرح پھیلی ہے جو اب تک پاکستان کے 35000 شہریوں اور 3500 سیکیوریٹی کے اہلکاروں کو کھا چکی ہے جس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر انفراسٹرکچر کی تباہی ہوئی ---جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ نقل مکانی پر مجبور ہوئے، ---سرمایہ کاری کا ماحول غارت ہوا---ملکی پیداوار تیزی سے پستیوں کی طرف لڑھک گئی---بیروزگاری میں اضافہ ہوا---اور سب سے بڑھ کر ملک کے بیشتر حصوں میں صنعتی سرگرمیاں کلی طور پر جامد ہوگئیں---پاکستان نے کبھی اس پیمانے کی سماجی، معاشی، اور صنعتی تباہ کاری نہیں دیکھی تھی حتیٰ کہ اس وقت بھی نہیں جب ایک براہ راست جنگ کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا تھا۔'' یعنی حکومت نے اعتراف کر لیا ہے کہ اس جنگ میں شمولیت نے پاکستان کو اس پتھروں کے دور میں پہنچا دیا ہے جس سے بچنے کے لئے مشرف نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم اس جنگ میں شرکت کر رہے ہیں۔ ایسا پاکستان جس میں نہ بجلی ہے، نہ پانی ہے اور نہ گیس۔ اکنامک سروے آف پاکستان 11-2010 مزید لکھتا ہے، ''اس جنگ نے نہ صرف ہماری معیشت بلکہ پاکستان کے سماجی اور معاشرتی ڈھانچے کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ لامحالہ اگر یہ جنگ جاری رہتی ہے تو پاکستانی معیشت اور معاشرے کے بطن سے لہو رستا رہے گا۔'' اس جنگ کے نقصانات کا تخمینہ لگانے کیلئے ایک بین الاصوبائی اور بین الاوزارتی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، اکنامک سروے ان کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے،''پچھلے دس سالوں میں بلواسطہ اور بلاواسطہ اس جنگ سے پاکستان کا نقصان 67.93 ارب ڈالر یا 5037 ارب روپے ہے۔'' حکومت کے اس اقرار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کا جاری رہنا پاکستان کی رہی سہی معیشت کا بھی بیڑا غرق کر دے گا، اکنامک سروے اس پوری جنگ کی داستان ان دو جملوں میں سکیڑ کر کہتا ہے ''دنیا کو جینے کیلئے ایک محفوظ مقام بنانے کی جدوجہد میں پاکستان خود زیادہ غیر محفوظ مقام بن گیا ہے---پاکستان کی معیشت اس جنگ کے جلد خاتمے کا تقاضا کرتی ہے''۔

درج بالا دلائل اس امر کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ یہ سرزمین ہمیشہ سے ایک خوشحال زمین رہی ہے اور اس کا پوٹینشل وقت گزرنے کے ساتھ گھٹنے کے بجائے بڑھتا جا رہا ہے۔ تاہم اس سرزمین پر ایک لعنت مسلط ہو چکی ہے جس کا نام سرمایہ دارانہ نظام ہے، جو انگریز یہاں لے کر آیا اور اس کے بعد ان کے پروردہ ایجنٹ اور امریکی استعمار کے چیلوں نے اس نظام کو نافذ کیا جس کے باعث یہ وسائل استعمار اور ان کے چیلوں کو تو بھرپور فائدہ پہنچا رہے ہیں، لیکن عوام کو دو روٹی سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ استعماری پالیسیوں جیسے کہ امریکی دہشت گردی کی جنگ نے اس کا حال مزید خراب کر دیا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ پاکستان کے مخلص اہل قوت عوام کو اس لعنتی نظام اور اس کے رکھوالوں سے نجات دلائیں۔ تاکہ یہ زمین اپنے خزانے عوام کیلئے اگل دے۔ اور امریکی جنگ کو امریکہ پر واپس موڑ دیں، بے شک ہمارے پاس نجات کا یہی راستہ ہے اور بے شک اسلام ہی سے مسلمانوں کی فلاح اور عزت وابستہ ہے۔

⊗⊗⊗

شہزاد شیخ (پاکستان میں حزب التحریر کے ڈپٹی ترجمان)

پاکستان کے غدار حکمران امریکی مفاد میں کراچی میں قتل و غارت گری کی سرپرستی کر رہے ہیں

حزب التحریر کراچی میں جاری قتل و غارت گری کی پرزور مذمت کرتی ہے۔ کراچی میں جاری خونریزی کے براہِ راست ذمہ دار سیاسی اور فوجی لیڈرشپ میں موجود غدار حکمران ہیں جس نے خطے میں امریکی مفادات کے حصول کے لئے کراچی کے عوام اور پاکستان کے معاشی مرکز کو قاتلوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اس بات کا ثبوت شورش زدہ علاقوں میں پولیس اور رینجرز کو کئی کئی روز تک نہ بھیجنا یا قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کا دہشت گردی کے واقعات کے وقت کھڑے ہو کر لاشیں گرنے کا تماشہ دیکھنا ہے۔ حکمران کبھی یہ تاثر دیتے ہیں کہ امن و امان کا مسئلہ لینڈ یا ڈرگ مافیا کا پیدا کردہ ہے یا قبائلی علاقوں سے بھاگ کر آنے والے طالبان دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہیں یا پھر یہ کہ کراچی میں بسنے والی مختلف لسانی اکائیوں کے درمیان شدید کشمکش ہے۔ امن و امان کا مسئلہ ہرگز لینڈ و ڈرگ مافیا یا طالبان کا پیدا کردہ نہیں ہے کیونکہ ہر بڑے شہر میں حکومتی اداروں کی سرپرستی میں لینڈ و ڈرگ مافیا کام کرتی ہیں لیکن وہاں پر اس طرح قتل و غارت گری کے واقعات نہیں ہوتے۔ یہ طالبان بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر ان کا مسئلہ حکومت یا ریاست کو کمزور کرنا ہے تو یہ کام وہ زیادہ آسانی کے ساتھ پشاور، اسلام آباد، کوئٹہ یا لاہور میں بھی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ سندھی پٹھان یا سندھی مہاجر کشمکش بھی نہیں ہے۔ کراچی میں بسنے والے مہاجران لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں یہ جانتے ہوئے بھی بھرپور حصہ لیا اور ہجرت کی کہ ان کے علاقے مجوزہ پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے صرف اس لیے کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں ایک اسلامی ریاست قائم ہو جائے۔ یہ ان کی ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اسلام اور مسلمانوں سے محبت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی طرح سندھ کے رہنے والوں نے اسلام کی بنیاد پر قیام پاکستان کے وقت اپنے مہاجر بھائیوں کو اس طرح خوش آمدید کہا کہ انصار مدینہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہی معاملہ پٹھان بھائیوں کا ہے۔ ان کی مہاجروں یا کسی بھی دوسری لسانی اکائی سے کوئی جھگڑا نہیں۔ یہ وہی پٹھان ہیں جن کے آباؤ اجداد نے کشمیر میں جہاد کیا اور جس کی وجہ سے آج آزاد کشمیر کے مسلمان ہندو کی غلامی سے آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں کوئی لسانی تقسیم نہیں بلکہ یہ ایک اسلامی شناخت رکھنے والا شہر ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں سے 1977 کی نظام مصطفیٰ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں پر ہر مکتبہ فکر کے سب سے بڑے مدارس ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جو نہ صرف اپنے شہر میں چلنے والے مدارس کی کفالت کرتا ہے بلکہ پورے پاکستان میں چلنے والے مدارس اور رفاہی اداروں کی بھرپور مدد و معاونت کرتا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس نے افغانستان میں سویت یونین اور کشمیر میں بھارت کے خلاف جہاد میں اپنے سینکڑوں جوانوں کی قربانی دی۔ لوگ ابھی تک وہ مناظر نہیں بھولے جب کشمیر میں آنے والے زلزلے کے بعد اپنے متاثرہ بھائیوں کے لیے کراچی کے شہریوں نے صرف ایک C-130 جہاز کی امداد کی اپیل کے جواب میں درجنوں جہازوں کے برابر امدادی سامان بھجوایا۔

چنانچہ کروڑوں کے شہر میں حکمران چند شرپسند عناصر کی پشت پناہی کر کے نہ صرف کراچی کے امنِ عامہ کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں بلکہ تمام دنیا کو یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ کراچی کے مسلمان عصبیت کی جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کراچی میں جب بھی لسانی بنیادوں پر کشمکش پیدا کی گئی اس کے پیچھے ہمیشہ حکمرانوں اور ان کے آقا امریکہ کے غلیظ سیاسی مفادات کارفرما رہے ہیں۔ کراچی کے عوام نبی ﷺ کی اس ہدایت سے آگاہ ہیں کہ **''وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے، یا عصبیت کے لئے لڑے یا عصبیت کے لئے مرے''** (ابوداؤد)۔

آج ایک بار پھر پاکستان کے غدار حکمران امریکہ کی چاکری کر کے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے استعماری ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

آج جب کہ امریکہ پورے پاکستان پر اپنے زہریلے دانت گاڑ رہا ہے عوام کو طرح طرح کے بحرانوں کے ذریعے اپنے معاشی اور سیکورٹی کے مسائل میں گھیر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں امریکہ نے چند سالوں کے دوران پورے پاکستان میں اپنے فوجی اور انٹیلی جنس 'فٹ پرنٹ' میں اضافہ کر لیا ہے۔ ٹریزز کے نام پر ہماری چھاؤنیوں میں گھس بیٹھا ہے۔ اس کے کرائے کے قاتل بلیک واٹر اور ڈائن کارپ کی شکل میں جگہ جگہ بم دھماکے کرتے پھر رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر امریکہ مسلمان فوج کے ذریعے لاکھوں مسلمان قبائلیوں کے خلاف خونی فوجی آپریشن کروا رہا ہے۔ یہ آپریشن آج بھی کرم ایجنسی اور مہمند ایجنسی میں جاری ہیں جسے میڈیا میں مکمل طور پر بلیک آؤٹ کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام خطرناک اقدامات امریکہ محض اس لئے اٹھانے میں کامیاب ہوا کیونکہ فوجی اور سیاسی قیادت میں موجود غداروں نے عوام کو مختلف مسائل میں الجھا رکھا ہے، ان میں چینی کا بحران، آٹے کا بحران، بجلی کا بحران، جگہ جگہ بم دھماکے اور کراچی میں ٹارگٹ کلنگ وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان اسلام کے نام پر بنا اور صرف اسلام ہی وہ بنیاد ہے جو پاکستان میں بسنے والے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کو یکجا کر سکتا ہے اور ان کے دنیاوی امور کو بغیر کسی تعصب و امتیازی سلوک کے منظم کر سکتا ہے۔

امت سرمایہ دارانہ نظام اور اس سے جڑی قیادت کو مسترد کر چکی ہے اور اسلام کے نظام یعنی خلافت کے تحت زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ **حزب التحریر** اہل قوت میں موجود مخلص لوگوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی خاموشی کو توڑیں۔ یہی وقت ہے کہ وہ **حزب التحریر** کو خلافت کے قیام کے لیے مدد و نصرت فراہم کریں تا کہ اس سرمایہ دارانہ قیادت کا خاتمہ ہو جو اپنے مفاد کے لیے ہزاروں لاکھوں بے گناہ لوگوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

⊗⊗⊗

قرضوں کا بحران: امیر کو امیر تر بنانے کا ذریعہ

یورپ کی طرف سے یونان (Greece) کو اپنے قرضوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے 156 بلین ڈالر کی امداد دینے کہ صرف ایک سال بعد ہی یورپ اب ایک نئے قرضوں کے بحران سے دوچار ہے۔ اس نئے بحران کی شدت اس قدر گھمبیر ہے، کہ یہ بحران یورپ کی بڑی معیشتوں میں سے چند ایک، جیسا کہ سپین اور اٹلی کے لیے خطرہ بن گیا ہے۔

قرضوں کا یہ 'مرض' صرف یورپ کے لیے ہی خطرہ نہیں، بلکہ بحر اوقیانوس کی دوسری طرف امریکہ کے لیے بھی خطرہ بن چکا ہے، ایک ایسا ملک جو کبھی دنیا کے GDP میں 50% اضافے کا سبب بنا، جو دنیا کے 75% سونے کو کنٹرول کرتا تھا، اور جو کبھی قرض دینے والے ممالک میں تھا، آج خود دیوالیہ ہونے (Default) کے دھانے پر کھڑا ہے۔ جہاں دونوں سیاسی پارٹیاں قرض کی آخری حد، جو کہ اس وقت 14.3 ٹریلین ڈالر ہے، کو بڑھانے پر بحث کر رہی ہیں۔ قرضوں کے ان دو بحرانوں کے ملاپ نے دنیا کو درپیش معاشی تباہی کو مزید واضح کر دیا ہے۔

یہ معاشی بحران اُن مالدار ترین (Super Rich) افراد کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے جنم لے رہا ہے جو اپنی دولت کسی صورت میں بھی بانٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ 2008 میں جنم لینے والے معاشی بحران کے بعد، یہ مالدار ترین (Super Rich) افراد اس قابل تھے کہ یہ اپنی حکومتوں کو ایسے اقدامات اور قوانین بنانے پر مجبور کر سکیں کہ جس کے ذریعے عوام کو دن دیہاڑے قانونی طریقے سے لوٹا جا سکے۔ مغربی حکومتوں نے پیٹ کاٹ کر ٹیکس بھرتی عوام کے پیسے سے قرض میں ڈوبے بینکوں کو بچانے میں بڑی تندہی اور پھرتی سے کام لیا۔

عام آدمی کا کوئی خیال کیے بغیر، اِن حکومتوں نے بڑے طریقے سے اِن چند اُمراء کے قرضے کو عوامی قرضے میں اس طرح سے بدلا کہ اِن قرضوں کو بینکوں کے کھاتوں سے نکال کر حکومت کے کھاتے میں ڈال دیا۔

انہی امراء کے مفادات کو مزید بچانے کے لیے حکومتوں نے مزید کرنسی نوٹ چھاپنا شروع کر دیے، جس کا خمیازہ عوام نے مہنگی اشیاء اور مہنگی سروسز کی صورت میں بھگتا، جو کہ اکثر عوام کی قوت خرید سے ہی باہر ہو گئیں۔ جبکہ امراء اپنی کثیر دولت اور پیسے کو اشیاء میں بدل لینے کی اہلیت کی وجہ سے اس کرنسی کی گراوٹ سے محفوظ رہے۔

تین سال کا عرصہ گزرنے کے بعد یہی اُمراء ایک بار پھر سیاستدانوں، میڈیا اور معاشی اداروں کے ذریعے اپنی دولت کو بچانے کے لیے لوگوں اور اقوام کو داؤ پر لگانے پر تلے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یورپ میں اقتصادی دیوالیہ پن کے خدشے کے باوجود یہ اُمراء، وہ قرضہ جو یونان، اٹلی، سپین اور پرتگال جیسے ممالک سے لینا ہے، اُسے معاف کرنے کہ ہرگز راضی نہیں ہیں۔ ان امراء کو یہ زیادہ پسند ہے کہ یہ ممالک سود کی تہوں میں دبے رہیں اور ان کی عوام کی جیبوں سے دولت نچوڑی جائے، بجائے یہ کہ اِن ممالک کے قرضے معاف کر دیے جائیں اور ان کی حالت بہتر ہو جائے۔

اسی طرح امریکہ میں بھی یہ اُمراء ہی ہیں جو کہ اپنی بدانتظامی (Mismanagment) اور اپنے غلط طرز زندگی کی سزا عوام کو دے رہے ہیں۔ دونوں بڑی پارٹیاں، ڈیموکریٹس اور ریپبلکن، اِن اُمراء کے مفادات بچانے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ترقیاتی اخراجات میں کمی، ٹیکسوں میں چھوٹ یا دونوں سیاسی پارٹیوں میں ہونے والا کوئی بھی اور سمجھوتا درحقیقت انہی سرمایہ داروں کی دولت کو بچانے کا سبب بنے گا جبکہ عوام کو اس کی ایک بڑی قیمت چکانا پڑے گی۔

چونکہ باقی تمام دنیا مغرب اور اُس کے معاشی اداروں پر انحصار کرتی ہے، لٰہذا باقی دنیا کے کروڑوں انسان مغرب کے ایک عام آدمی سے بھی زیادہ اس بحران سے بری طرح سے متاثر ہونگے۔

دنیا کی دولت، خزانوں، اور وسائل پر اِن سرمایہ داروں کی اجارہ داری اس لیے ہے کہ کوئی اور متبادل نظام اِس وقت دنیا میں رائج ہی نہیں، جو اِن کی اس لالچ اور اجارہ داری کو اکھاڑ سکے۔ دنیا کا وہ واحد نظام جو اِن اُمراء کو اپنی دولت ذخیرہ کرنے سے روکتا ہے، وہ صرف اسلام ہے۔ قرانِ پاک کی سورہ حشر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

"جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے دلوایا وہ اللہ، اسکے رسول، اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ مال تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔ اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ بھی تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے بھی تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ عذاب دینے میں شدید ہے"(الحشر: آیت نمبر 7)

صرف خلافت میں ہی یہ ہو سکتا ہے کہ امراء اپنی دولت کو خزانے بنا کر نہ رکھ سکیں اور اقتصادی قوانین کے ذریعے ان پر لازم کیا جائے گا کہ وہ اپنی دولت میں دوسروں کا حصہ ادا کریں۔ صرف اسی نظام کے ذریعے ہی ریاست کی عوام کو ان کی بنیادی ضروریات مہیا کی جاسکتی ہیں تا کہ وہ خوشحال زندگی گزار سکیں۔

⊗⊗⊗

سلیم سیٹھی

بیرونی قرضے: استعماری قوتوں کا ایک ہتھیار
اصل حقیقت اور اِس کا صحیح ترین حل

23دسمبر2010 کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں پاکستان کی وزیرِ مملکت برائے خزانہ حنا ربانی کھر نے بتایا کہ پاکستان کے بیرونی قرضہ جات (Foreign debt) 53.7ارب ڈالر ہو چکے ہیں۔ وزیرِ موصوف نے یہ بھی بتایا کہ پچھلے تین سالوں میں یعنی 2007 سے لے کر2010 تک پاکستان 6ارب ڈالر کی قرض کی ادائیگی اور تقریباً2.6ارب ڈالر سود کی مد میں بھی واپس کر چکا ہے یعنی ساڑھے آٹھ ارب ڈالر واپس کرنے کے باوجود بھی پاکستان کے قرضے 53.7ارب ڈالر ہی ہیں۔ یاد رہے کہ 19 مئی 2007میں پاکستان اسٹیٹ بینک کی طرف سے ایک پریس ریلیز میں یہ بتایا گیا تھا کہ اُس وقت پاکستان کے کل بیرونی قرضے 38.8ارب ڈالر تھے۔

بیرونی قرضوں میں تیزی سے اضافہ سب سے پہلے پاکستان کی پہلی ملٹری گورنمنٹ ایوب خان کے دور میں ہوا جب پاکستان کا قرضہ 373ملین ڈالر سے بڑھ کر2701ملین ڈالر تک پہنچ گیا۔ بھٹو کے دور میں بھی بیرونی قرضے لیے گئے اور 1978 تک پاکستان کے بیرونی قرضے 8.7ارب ڈالر تک پہنچ چکے تھے۔ ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں یہ قرضے ایک بار پھر نہایت تیزی سے بڑھے اور صرف دو سالوں کے اندر اندر 1980 تک یہ قرضے 22ارب ڈالر تک پہنچ گئے۔ یہی معاملہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے دورِ حکومتوں میں جاری رہا، یہاں تک کہ آخری ملٹری ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے حکومت سنبھالنے تک یہ قرضے 38ارب ڈالر تک پہنچ چکے تھے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ملک بیرونی قرضوں کی طرف کیوں جاتا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ جو ممالک یا ادارے قرض دیتے ہیں وہ قرض دینے کے ساتھ کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ذیل میں اِن دونوں سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو نہایت آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ملک اپنی کچھ اشیاء کو دوسرے ممالک کو برآمد کرتا ہے اور اِسی طرح کچھ اشیاء اپنے ملک میں درآمد بھی کرتا ہے۔ اب اگر برآمد کرنے پر ہونے والی آمدنی، درآمد کرنے پر ہونے والے خرچ سے کم ہو تو اِسے ادائیگیوں کے توازن (Balance of payments) میں خسارہ کہتے ہیں۔ اگر یہ خسارہ مسلسل ہو تو یہ بحران کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی آمدن اِس قابل نہیں ہوتی کہ وہ ادائیگیوں کو پورا کر سکے۔ چنانچہ اِس کرنسی کے ذخائر میں خسارے پر قابو پانے کے لیے خسارے والے ممالک کچھ عارضی حل اپناتے ہیں اور چند پالیسیاں اور اقدامات متعارف کرائے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی اقتصادی صورتحال بہتر کر سکے اور ادائیگیوں کے توازن (Balance of payments) میں بہتری لا سکے۔ آج کل استعمال ہونے والے چند اقدامات یہ ہیں:

1) فنانشل مارکیٹ میں شرح سود کو بڑھانا تاکہ بیرونی سرمائے کی ملک کے اندر آنے کی حوصلہ افزائی ہو۔

2) درآمدات کو کم کرنے کے لیے اُن پر کسٹم ڈیوٹیاں اور دیگر ٹیکس یا حربوں کا نفاذ۔

3) اپنی کرنسی کی قیمت کو گرانا تاکہ ملکی اشیاء کی قیمتیں بیرونی مارکیٹوں میں گریں اور اس وجہ سے غیر ملکی اِن اشیاء کو خریدنے میں اضافہ کریں (کیونکہ اِس طریقے سے ملکی چیزیں غیر ملکیوں کے لیے سستی ہو جاتی ہیں)۔ بالالفاظِ دیگر اِس طریقے سے برآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ حربہ صرف اُس وقت کامیاب ہے جب جن اشیاء کو برآمد کرنا ہے وہ کثیر تعداد میں پیدا کی جا چکی ہوں تاکہ ان کو فوری برآمد کر کے آمدنی حاصل ہو سکے۔ اور دوسرے ممالک جو یہی اشیاء بیچ رہے ہیں اپنی کرنسی کی قیمت نہ گرائیں۔ تاہم اگر ریاست نے اتنی بڑی تعداد میں برآمدات کرنے کے لیے چیزیں تیار نہ کی ہوں تو یہ اقدام الٹا نقصان دہ بن جاتا ہے کیونکہ کرنسی کی قیمت گرنے سے ملک میں اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہاں پر اِس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ کچھ ممالک یا پھر تقریباً سارے بڑے ممالک اپنے خساروں کو پورا کرنے کے لیے اپنی کرنسیاں چھاپنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کرنسیوں کی پشت پر کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اُن کو اپنی کرنسی کی قدر نہ گرانی پڑے، نہ ہی قرض لینے پڑیں اور نہ ہی ایسے سخت اقدامات اُٹھانے پڑیں جن کی وجہ سے اندرونی انتشار اور ہنگامہ آرائی کا خطرہ ہو۔ لیکن بہر حال یہ نوٹ چھاپنے سے افراطِ زر میں اضافہ ہو گا یعنی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ جو کہ اشیاء اور کرنسی کی مقدار میں عدم توازن سے پیدا ہوتا ہے۔ افراطِ زر پر عموماً قابو کرنسی کی تعداد اور اشیاء اور خدمات (services) میں توازن قائم کر کے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ یا تو پیداوار بڑھا کر اشیاء او خدمات (services) بڑھائی جائیں یعنی اقتصادی صورتحال بہتر بنا کر خصوصاً پیداواری پہلو سے اور یا پھر مارکیٹ میں زائد کرنسی کو خرید کر اُسکی مقدار کو مارکیٹ میں کم کیا جائے۔ کرنسی کو مارکیٹ میں کم کرنے کا طریقہ کرنسی پر شرح سود بڑھانا ہے جس کے باعث لوگ اِس کرنسی کو بینکوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا پھر یہ

اِس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ تمام تجارتی بینکوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مرکزی بینک میں موجود اپنے کرنسی کے حصوں کو بڑھا دیں اور اُس کے بعد اُنہیں منجمد کر دیا جائے۔ تاہم اِن اقدامات سے بُرے نتائج نکلتے ہیں کیونکہ ان سے سرمایہ کاری کم ہو جاتی ہے۔ اور اقتصادی صورتحال میں جمود (stagnation) آ جاتا ہے۔ چنانچہ جب نواز شریف نے ایٹمی دھماکوں کے بعد یہی عمل کیا تھا تو پاکستان کی معیشت کو یہی جمود دیکھنے کو ملا تھا۔

تاہم آج کل خسارے کو پورا کرنے کا سب سے آسان طریقہ قرضے لینا ہے جس سے ادائیگیوں میں توازن قائم کیا جاتا ہے۔ لیکن جب قرضے لیے جاتے ہیں تو ایک نیا بحران پیدا ہو جاتا ہے جہاں یہ ملک قرضوں کی دلدل میں پھنس سکتا ہے خاص طور پر جب یہ قرضہ اُن اقدامات میں نہ استعمال ہو جو ملکی آمدنی میں اضافہ کا باعث بنیں۔ اور یہی تیسری دنیا کے زیادہ تر ممالک کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اِن ممالک نے قرضوں کے خسارے کو پورا کرنے کا سب سے آسان طریقہ سمجھا کیونکہ ان ممالک میں کچھ تو اپنی بنیادی ضرورت کی چیزیں تک نہیں پیدا کرتے۔ اور ویسے بھی اِن کے پاس برآمد کرنے کے لحاظ سے چند اشیاء کے سوا کوئی ایسی خاص اشیاء نہیں ہوتی۔ اِس لیے اِن کے لیے قرضوں کے ذریعے خسارے کو پورا کرنا ہی ممکنہ ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ درآمدات میں کمی کرتے ہیں تو ملک میں اشیاء کی قلت پیدا ہوتی ہے جس سے اُن کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور نتیجتاً پیداواری عمل میں خلل واقع ہوتا ہے جس سے بیروزگاری بڑھتی ہے اور ترقی اثر انداز ہوتی ہے۔

اور اگر ریاست چاہے کہ یہ خسارہ اپنے موجودہ سونے اور خارجہ کرنسی کے ذخائر (Reserves) سے پورا کرے تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ عموماً تیسری دنیا کے ممالک کے پاس یہ ذخائر (Reserves) بہت کم ہوتے ہیں۔ مزید برآں اگر یہ ذخائر خسارہ پورا کرنے میں لگ گئے تو اِس سے ذخائر (Reserves) خطرناک سطح تک آ جائیں گے، جس کے نتیجے میں ملکی کرنسی کی قیمت گرنے لگے گی۔

اور اگر اِس کے ساتھ ساتھ اِن میں کئی ممالک میں پائے جانے والے قدرتی وسائل کے استحصال کو بھی شامل کر لیں تو نتیجتاً قرضوں پر ہی انحصار رہے گا۔ جو چیز قرضوں کے بحران کو شدید کرتی ہے وہ اِن قرضوں کو تین مہلک چیزوں کے ساتھ منسلک کرنا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1: اِن قرضوں کو ایسے منصوبوں میں استعمال کرنا جن کا پیداواری خود کفالت کے لحاظ سے کوئی فائدہ نہ ہو، جیسا کہ اِن قرضوں کو تفریح اور عیاشیوں میں صَرف کرنا یا پھر صرف پروپیگنڈہ اور حکومتی ساکھ کو بہتر کرنے کے لیے شروع کی جانے والی سکیموں میں اڑا دینا۔ یہ سب اقتصادی لحاظ سے مفید نہیں بلکہ الٹا خسارے میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

2: اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کا کمیشن (Commission) اور رشتوتوں کے ذریعے قرضوں سے حاصل کئے ہوئے مال کا ایک بڑا حصہ غبن کر لینا۔ یہ سرکاری عہدیدار فوجی بغاوتوں یا حکومت کی تبدیلی کے خطرے کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس غبن کئے ہوئے مال کو محفوظ کرنے کی خاطر بیرونی ممالک سمگل کر دیتے ہیں اور اِس طرح وہ ملک کو دوہرا نقصان پہنچاتے ہیں یعنی پہلے عوام کے پیسے میں سے ایک بڑے حصے کا غبن کرنا، جسے ترقی کی کوششوں میں صَرف کیا جانا چاہیے تھا تاکہ ملکی اقتصادی صورتحال میں بہتری آتی اور دوسرا کہ اُس کو غبن کرنے کے بعد ملک سے باہر سمگل کر دینا جس سے ملک پر خرچ ہونے والا سرمایہ ملک میں رہنے کی بجائے باہر چلا جاتا ہے۔

اِسی مسئلے پر امریکہ میں موجود مورگین ٹرسٹی بینک (Morgan Trustee Bank) نے حال ہی میں ایک رپورٹ جاری کی ہے جس میں اندازا لگایا گیا تھا کہ تیسری دنیا کو دیئے ہوئے 40 سے 60 فیصد قرضے اعلیٰ افسران کے نام پر یا اُن کے رشتے داروں کے نام سے کھلے ہوئے خفیہ اکاؤنٹس کے ذریعے واپس پہلی دنیا کے بینکوں میں آ جاتے ہیں۔ چنانچہ رپورٹ کے مطابق 80 کی دہائی سے تیسری دنیا کو جاری کئے گئے تقریباً 1500 ارب ڈالر میں سے تقریباً 1000 ارب ڈالر پہلی دنیا کے بینک اکاؤنٹس میں واپس آ چکے ہیں جو کہ تیسری دنیا کے اعلیٰ عہدیداروں اور افسران کے نام سے کھلے خصوصی اکاؤنٹس میں جمع ہیں۔

3: سپر پاورز یا پھر بڑے بااثر ممالک عموماً اِن قرضوں کو تیسری دنیا پر اپنے اقتصادی اور سیاسی اثرورسوخ بڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ خاص طور پر ایسی پالیسیاں مرتب کرتے ہیں جس سے تیسری دنیا کے ممالک کو قرض لینے کی ترغیب ملے اور پھر اُن قرضے دینے والے ممالک کے مقاصد کو پورا کرنے پر آمادہ ہوں چاہے وہ مقاصد اقتصادی ہوں یا سیاسی۔ اِس بات کے ثبوت میں جنرل کلے کمیٹی کی رپورٹ کافی اہمیت رکھتی ہے۔ مارچ 1963 کے آخری ہفتے میں امریکی امداد کے بارے میں جاری کردہ جنرل کلے کمیٹی (Commitee of General Clay) کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ امریکہ کا تیسری دنیا کے ممالک کو قرض دینے کی وجہ اور وہ شرائط جن پر یہ قرضے دیئے جاتے ہیں حقیقت میں امریکہ اور لبرل ممالک کا تحفظ کرنا ہے۔ یعنی اِن قرضوں کا مقصد تیسری دنیا کی امداد کرنا نہیں بلکہ اُنکو اپنے زیرِ اثر لانا ہے۔ جبھی 60 کی دہائی کی شروعات میں انڈونیشیا میں امریکہ نے انتشار پیدا کر کے اُس پر دباؤ ڈالا کہ وہ قرض لے۔ گرانٹس اور قرضے آج بھی سپر پاورز چھوٹے ممالک پر سیاسی غلبے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ امریکہ کی ادائیگیوں کا توازن بہت بگڑ چکا ہے لیکن وہ پھر بھی ہر سال قرض اور گرانٹس جاری کرتا رہتا ہے۔

دوسرا ثبوت قرض دینے والے اداروں خصوصاً IMF کی شرائط ہیں اور یہ بات بھی اہم ہے کہ IMF کو بناتے وقت اِس ادارے میں فیصلہ سازی کو اِس طرح سے ترتیب دیا گیا کہ جس میں امریکہ کی اِس کے فیصلوں پر بالادستی یقینی بن گئی، کیونکہ IMF میں ہر ملک کو فیصلوں میں اُتنے ہی ووٹ حاصل تھے جتنے اُس کا فنڈ میں مالی تعاون تھا۔ اور چونکہ امریکہ کا اِس فنڈ میں سب سے بڑا حصہ تھا یعنی کل مالیاتی فنڈ کے 27.2 فیصد حصے کے برابر،

لہٰذاIMF کے تمام فیصلوں میں امریکہ کی بالا دستی قائم ہوگئی۔

اِن تمام وجوہات کی وجہ سے یہ بات واضح ہے کہ اگر ایک مرتبہ کوئی ملک اِن قرضوں کی راہ اپنا لیتا ہے تو پھر وہ اُس کے جال میں پھنس جاتا ہے جس سے نکلنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ قرضوں کا بحران میں شدت سے جب بھی کوئی ریاست اپنا قرض (بشمول سود اور دیگر منافع جات) واپس کرنے میں ناکام ہوتی ہے تو اُس کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اِن قرضوں کی تاریخ کو آگے بڑھوانے میں کامیاب ہوجائیں اور ساتھ ہی ساتھ مزید قرض لے لیتی ہے تاکہ اُن کا اقتصادی پہیہ چلتا رہے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے قرض دینے والے ممالک کا گروپ یعنی پیرس کلب اور قرض دینے والا کمرشل بینکوں کا گروپ یعنی لندن کلب دونوں کے دونوں کلب مقروض ممالک سے کہتے ہیں کہ وہ پہلے IMF سے اعتماد اور بھروسے کا سٹیفکیٹ حاصل کریں، جیسا کہ اچھی چال چلن کا سٹیفکیٹ ہوتا ہے۔ اِس سٹیفکیٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ مقروض ملک اقتصادی ترقی کا رویہ اپنائے گا۔

لیکن اِس سٹیفکیٹ کو حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مقروض ملک ایک اقتصادی اصلاحات کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کرے۔ اِن اصلاحات میں عموماً ملکی کرنسی کی قیمت گرانے کے ساتھ ساتھ تمام بنیادی ضروریات کی اشیاء پر سے سبسڈی کا خاتمہ کرنا، لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ روکنا یا اُن کی سرے سے ادائیگی میں تاخیر کرنا، سرکاری ملازمین کی تعداد میں کمی کرنا، عوامی سہولیات بلخصوص توانائی کے شعبہ کی قیمتوں میں اضافہ کرنا، ملکی کرنسی پر شرحِ سود بڑھانا تاکہ بچت بڑھے اور بیرونی سرمایہ ملک میں آئے اور اِسی کے ساتھ آزاد تجارتی پالیسی یعنی غیر ملکی تجارت کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا شامل ہوتا ہے۔ اِس کی بہترین مثال موجودہ حکومت میں IMF کے ساتھ معاہدے کی شرائط ہیں جس کے تحت پاکستان میں RGST کا نفاذ، بجلی کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ، تمام سبسڈیز کا خاتمہ اور اِسی طرح کی دیگر شرائط کا لگایا جانا ہے۔

IMF کے ذریعے قرضوں کے مسئلے کو حل کرنا حقیقت میں مسئلے کو زیادہ گھمبیر بنا دیتا ہے، کیونکہ IMF کا پروگرام جسے وہ مسئلے کے حل کے طور پر پیش کرتا ہے، اُس کی بنیاد علمِ حساب (arithmetic basis) پر ہوتی ہے۔ IMF اِس مسئلے کو صرف علمِ ریاضی کا ایک سوال سمجھتا ہے جس کے حل کے لیے وہ صرف اخراجات اور آمدن میں توازن قائم کرنے کے لیے یا تو آمدن میں اضافے کا سوچتا ہے اور یا تو اخراجات میں کمی لانے کا اور اِس بات کی قطعاً فکر نہیں کرتا کہ اِس مجوزہ حل کا انسانوں کی زندگیوں اور اُن کے معاملات پر کیا اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر IMF آمدن کو بڑھانے کے لیے ٹیکس کی شرح میں اضافہ کرنے کو کہے گا حالانکہ وہ بخوبی واقف ہے کہ مقروض ممالک میں شرحِ ٹیکس ویسے ہی لوگوں کی استطاعت سے زیادہ نہیں تو کم از کم استطاعت کی حد تک ہوتی ہے۔ یا IMF یہ جانتے ہوئے بھی کہ اِن ممالک میں روٹی، دودھ، چاول، چینی، گندم اور ایندھن جیسی بنیادی ضرورت کی اشیاء پر دی جانے والی سبسڈی کے خاتمے کی ہدایات دیتا ہے جبکہ ان کی قیمتیں ویسے ہی لوگوں کی پہنچ سے باہر ہوتی جارہی ہیں۔ یا وہ یہ جاننے کے باوجود کہ مقروض ممالک کی پیداواری اور برآمدی قابلیت بہت کمزور ہے، لیکن پھر بھی ملکی کرنسی کی قدر گرانے کو کہتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ اشیاء کی قیمتوں اور بیروزگاری میں اضافہ ہوگا۔ IMF کی ہدایات کے وجہ سے جہاں ایک طرف بنیادی اشیاء کی چیزیں مہنگی ہوتی ہیں وہیں دوسری طرف IMF یہ ہدایات بھی جاری کرتا ہے کہ ملازمین کی تنخواہوں کے بڑھانے پر پابندی عائد کی جائے۔ بلکہ بسا اوقات IMF اِس حد تک تجاویز دیتا ہے کہ اُن کی تنخواہیں کم کردی جائیں تاکہ سرکاری اخراجات کم ہو جائیں۔ مثال کے طور پر IMF نے برازیلین حکومت سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ مزید قرض لینا چاہتا ہے تو سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کو 20 فیصد تک کم کردے۔ دسمبر 1985 میں IMF نے نائیجیریا سے اپنی کرنسی کو 60 فیصد تک گرانے کو کہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تیل کی مصنوعات سے تمام سبسڈی ختم کرنے کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ 1986 کی شروعات میں IMF نے سوڈان سے بھی کرنسی کی قیمت گرانے اور سبسڈی ختم کرنے کے ساتھ ساتھ قیمتوں کو آزاد چھوڑنے (Price Liberalization) کا مطالبہ کیا تھا۔ اِسی طرح مصر سے 70 کی دہائی میں، مراکش اور تیونس سے 1984 کی شروعات میں، ڈومیکین ریپبلکن سے اپریل 1984 اور فروری 1985 میں، اردن سے اپریل 1989 میں سبسڈی کم کرنے اور قیمتوں میں اضافے کے مطالبات کیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی ممالک کی عوام نے IMF کی وجہ سے پڑنے والے بوجھ کے خلاف بطورِ احتجاج ہنگامہ آرائی شروع کردی تھی۔

تاہم IMF کے یہ تمام ظالمانہ مطالبات قرضوں سے نجات کے لیے نہیں بلکہ صرف اِن کی واپسی کی تاریخ میں تاخیر کے لیے ہیں۔ باالفاظِ دیگر کہ یہ تمام جابرانہ مطالبات صرف واپسی کی تاریخ کو بڑھانے کے لیے ہیں جہاں نئی تاریخِ واپسی تک قرضوں اور سود کا بوجھ اور زیادہ ہو چکا ہوگا۔

عام طور پر ورلڈ بینک کا قرض دینے کے حوالے سے کردار IMF کی طرح ہی ہے۔ IMF اُن ممالک کو قرض نہیں دے سکتا جو اُس کے قوانین کے مطابق قرضوں کی حد کو پار کر چکے ہیں۔ عموماً یہ قرض اُن منصوبوں کے لیے لئے جاتے ہیں جو اِس طرح سے ترتیب دیئے گئے ہوتے ہیں جو اِن مقروض ممالک کی ترقی میں رکاوٹ بن جائیں اور اِن ممالک کی معیشت زیادہ تر بیرونی امداد کی محتاج بن جائے۔

حقیقت میں IMF اور ورلڈ بینک کی پالیسیاں وہ حاصل نہیں کرسکیں جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ بلکہ اِن مقروض ممالک میں کہیں معیشت کی بحالی نظر نہیں آتی، اُلٹا قرضوں میں ڈوبے ہوئے ممالک کے قرض ختم ہونے کی بجائے، مزید بڑھ جاتے ہیں، اور اِس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ وہ IMF کی ہدایات پر چل کر اِن کو ختم کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔

IMF اور ورلڈ بینک کے ذریعے نافذ موجودہ عالمی اقتصادی نظام، جو انسانی فطرت اور عقل کے

خلاف ہے، کی طرف سے دیئے گئے حل کے نتیجے میں اِن ممالک میں ہونے والی اقتصادی بدحالی کا اندازہ اِس بات سے لگائیے کہ 1972ء میں ترقی پذیر ممالک کے کل قرضے 91 ارب ڈالر تھے جبکہ 1986ء کے آخر تک یہ قرضے 1000 ارب ڈالر کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ اِن قرضوں میں اسلامی ممالک کا حصہ 22.4 فیصد تھا، جبکہ عرب ممالک کا حصہ 15 فیصد کے قریب تھا جو لگ بھگ 200 ارب ڈالر کے برابر ہے۔ اکیلے مصر کا 1986 تک قرضوں کا حجم 40 ارب ڈالر تھا۔ یہ رقم اُس قرضے کی ہے جو 85-1970 کے عرصے کے دوران لیے گئے۔ سالانہ قسط، سود کی رقم اور بقایا جات جو اُسے جنوری 1987 سے جون 1988 کے درمیان واپس کرنا تھا صرف وہی 10 ارب ڈالر سے بھی تجاوز کر گیا تھا۔ جبکہ پاکستان کے قرضوں کی تفصیل میں شروع میں بیان کر چکا ہوں۔

یہ صرف چند اعداد و شمار کی مثالیں ہیں جو اِس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ قرضوں کے حجم میں 1982 کے بعد سے بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور مسلمان ممالک کے یہ قرض اِس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ اِن سے چھٹکارا ناممکن نظر آرہا ہے۔ اور یہ واقعی ناممکن رہے گا اگر اِس کے حل کے لیے ہم موجودہ عالمی اقتصادی نظام کے غلط تدارک اور IMF اور ورلڈ بینک کی مہلک پالیسیوں کے ساتھ نتھی رہیں گے۔

اِس مسئلے کا صحیح ترین حل صرف اور صرف اسلام نے دیا ہے۔ یہ اسلام کا نظامِ خلافت ہی ہے جس کے ذریعے آج مسلم ممالک میں موجودہ قرضوں کی وجہ سے آنے والے بحران سے نپٹا جا سکتا ہے۔ اِس کے لیے اسلام مندرجہ ذیل احکامات دیئے ہیں:

1: تمام قرضوں پہ لاگو سود کی ادائیگی نہ کرنا کیونکہ یہ رِبا ہے، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 279 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اگر تم توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے''

اور یہ سود ہی ہے جو اصل میں قرضوں کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ پیچھے دی گئی مثالوں سے بات یہ صاف ظاہر ہے۔

2: قرضوں کو بغیر سود کے ادا کر دینا۔ قرضوں کے مسئلے کو حل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اُن تمام لوگوں کو اِس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے جنھوں نے قرضے لینے کے ادوار میں حکومت میں شمولیت اختیار کی ہو۔ یہ اِس لیے کہ وہ انہی ادوار میں مال دار ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرضے اِنہی لوگوں کی عام ضروریات سے زیادہ موجود مال اور اُسی تناسب سے جس تناسب میں اُن کا زائد مال ہے، واپس دیئے جانا چاہیے۔ یعنی اگر پہلے شخص کا زائد مال 10 لاکھ، دوسرے کا 5 لاکھ اور تیسرے کا ڈھائی لاکھ ہو تو پھر قرضوں کی واپسی کی ذمہ داری میں بھی اُن کا تناسب اِسی حساب سے 4:2:1 ہونا چاہیے۔

جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ حکمرانوں پر ہی یہ ذمہ داری ڈالنی ضروری ہے تو اِس کے شرعی دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

ا) اسلام میں حکمران کی ذمہ داری اصل میں عوام کے امور کی دیکھ بھال کرنا ہے، اور اِن امور میں اقتصادی امور بھی شامل ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''امام (حکمران) ذمے دار ہے، اور وہ اپنی ذمہ داری کے حوالے سے جوابدہ ہے'' اور حکمران ہی ہوتے ہیں جو قرض لینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نقصان (نہ اپنے آپ کو پہنچانا جائز ہے) اور نہ دوسروں کو'' یعنی تمام نقصان کو دور کرنا ضروری ہے اور یہ ذمہ داری اُن پر ہے جو اِس نقصان کا سبب بنے ہیں۔ کیونکہ قرضے لینا اور لوگوں کو مقروض کر دینا امت کے لیے نقصان کا سبب ہے۔

ب) دوسرا یہ کہ اسلام کے حکم کے مطابق وہ شخص جو کوئی حکومتی عہدہ رکھتا ہے اُس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی تجارتی کام میں شامل ہو۔ وہ صرف اپنے ماہانہ معاوضے کا حق دار ہے۔ تو اگر وہ اپنے دور میں مال دار ہو جاتا ہے، تو اُس کا احتساب ہونا چاہیے، اور یہ بات آج کل کے تمام حکمرانوں میں مشترکہ ہے کہ اُنہوں نے حکومت کے لیے ہوئے قرضوں سے مال کھا کر اپنی دولت بڑھائی ہے۔

اِس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو اپنے کسی والی (گورنر) پر بدعنوانی کا شبہ ہوتا تو وہ حساب شدہ مال سے زائد مال کو ضبط کر لیتے۔ حضرت عمرؓ اپنے تمام والیوں کو عہدہ دیئے جانے سے پہلے اور واپس لیے جانے کے بعد اُن کی دولت کا حساب لگاتے اور اگر اُن کا مال اصولی حساب سے زیادہ پایا جاتا تو وہ اُس کو ضبط کر کے ریاستی بیت المال میں جمع کر دیتے اور اُس وقت تمام اکابر صحابہؓ موجود تھے اور کسی نے بھی اِس ضبطگی کو اُن کی ذاتی ملکیت پر دست درازی نہیں سمجھا تھا کیونکہ یہ آمدنی ناجائز تھی۔

کیونکہ اگر کوئی شخص کسی حکومتی عہدے پر فائز ہو اور وہ اپنے دورِ حکومت کے دوران بہت مال دار ہو جائے تو یہ اُس مال کو ضبط کرنے کے لیے ثبوت کے طور پر کافی ہے، کیونکہ اُس کا جائز حق صرف اُس کی تنخواہ ہے اور یہ تمام مال اُس سے زائد ہے۔ لیکن جہاں تک اُن سرکاری ملازمین کا تعلق ہے جو کسی حکومتی عہدے پر فائز نہیں تو اُن کا مال اُس وقت تک ضبط نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قانونی طور پر کوئی واضح ثبوت نہ ملے کہ یہ مال چوری کا ہے یا ناجائز ہے۔ جو کچھ بھی والیوں یا سرکاری ملازمین سے ضبط کیا جائے گا وہ سرکاری خزانے کا حصہ بنے گا، اور تمام قرضے اُس سے ادا کئے جائیں گے۔

یہاں پر ضروری ہے کہ اِن حقائق کو بیان کیا جائے کہ کس طرح پاکستان کی حکمرانی پر فائز ہونے کے بعد ہمارے سیاست دان تیزی سے ترقی کرتے ہیں۔ آگے بیان کئے گئے اعداد و شمار خالصتاً سرکاری ہیں جو یہ سیاست دان الیکشن کمیشن کو ہر سال جمع کراتے ہیں اور اِن میں وہ اعداد و شمار بیان نہیں کئے گئے جو غیر سرکاری طور پر عوام الناس کی زبان پر ہوتے ہیں۔

چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی کے وزیر اعجاز جاکھرانی نے 2008 میں جو اثاثوں کی فہرست جمع کرائی اُن کی مالیت 15.6 ملین روپے تھی جبکہ 2009 میں جو فہرست جمع کرائی گئی اُن میں یہ اثاثے 61 ملین تک جا پہنچے تھے۔ اِسی طرح پیپلز پارٹی کے ہی خورشید شاہ کے اثاثے 2008 میں 24.6 ملین روپے مالیت کے تھے جبکہ 2009 میں

بڑھ کر 51.6 ملین روپے مالیت کے ہو چکے تھے جبکہ منظور وٹو کے اثاثے 2008 میں 74 ملین روپے سے بڑھ کر 2009 میں 156 ملین ڈالر ہو چکے تھے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کی سربراہ فیملی کا بزنس گروپ 'اتفاق گروپ' نے اُس وقت ترقی شروع کی جب نواز شریف سیاست میں آئے تھے۔ شریف فیملی کوئی جاگیردار گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ فیملی انڈیا سے آئی تھی اور 1960 میں ایک آئرن فونڈری، ایک برف بنانے والی فیکٹری اور ایک واٹر پمپ بنانے والی فیکٹری کی مالک تھی۔

نواز شریف سابق فوجی ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں سیاست میں آئے تھے۔ اور اُسی دور میں ضیاء الحق نے اُسے پنجاب کا وزیر خزانہ بنایا تھا۔ چنانچہ اُس کے بعد اتفاق گروپ تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ 1982 میں اتفاق شوگر مل لگائی گئی، 1983 میں برادرز سٹیل مل لگائی گئی، 1986 میں برادرز ٹیکسٹائل مل لگائی گئی، 1986 ہی میں برادرز شوگر ملز لگائی گئی، 1987 میں اتفاق ٹیکسٹائل مل لگائی گئی، 1987 ہی میں رمضان بخش ٹیکسٹائل مل لگائی گئی 1988 میں خالد سراج ٹیکسٹائل مل لگائی گئی اور یوں صرف چند سالوں کے اندر اندر اتفاق گروپ پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی گروپ بن گیا۔ اور وہ اتفاق گروپ جس کا 1981 میں کل بزنس ٹرن اوور 337 ملین روپے تھا، اُس اتفاق گروپ کا 1987 میں ٹرن اوور 2500 ملین روپے تک جا پہنچا تھا اور یہ اعداد وشمار اتفاق گروپ ہی کے جاری کردہ ہیں۔ یاد رہے یہ وہی دور تھا جب ضیاء الحق کی حکومت نے پاکستان کے بیرونی قرضوں میں بے تحاشہ اضافہ کیا تھا۔

یہی نہیں بلکہ ایم کیو ایم جو اپنے آپ کو پاکستان کی واحد ایسی سیاسی جماعت ظاہر کرتی ہے اور جو مڈل کلاس لوگوں پر مشتمل ہونے پر فخر کرتی ہے، اُس کے اراکین بھی اب مڈل کلاس نہیں رہے۔ اِس جماعت کے رکن اسمبلی ڈاکٹر اے کیو خانزادہ نے 2008 میں جو اثاثے ظاہر کئے اُن کی مالیت 6.2 ملین روپے تھی جبکہ 2009 میں ظاہر کئے گئے اثاثے 17.7 ملین روپے کے ہو چکے تھے۔ اِسی طرح سب جانتے ہیں ایم کیو ایم کے رکن اسمبلی بابر غوری ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے تاہم اب اپنے ہی ظاہر کئے گئے اثاثوں کے مطابق وہ 200 ملین روپے کی مالیت کے اثاثوں کے مالک ہیں۔

یہ صرف چند اعداد وشمار ہیں جبکہ یہ تقریباً ہر اُس شخص کے معاملے میں ایسا ہی ہے جو کسی بھی دور میں حکومت میں شامل رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے قرضوں کا حل یہی ہے کہ اِنہی حکمرانوں کے اثاثوں سے اِن کو ادا کیا جائے، کیونکہ یہ قرضے اِنہی کے دور حکومت میں لیے گئے ہیں۔

3: اسلام کے احکامات کے مطابق نئے قرضے نہیں لیے جائیں گے کیونکہ سرمایہ کاری کے لیے بیرونی قرضے حقیقت میں ملک کے لیے انتہائی خطرناک حیثیت رکھتے ہیں۔ پچھلے ادوار میں یہی قرضے کسی ملک کو کالونی (colonise) بنانے کا ایک ذریعہ تھا جب کہ آج کل یہی قرضے دیگر ملکوں پر اپنا اثر ورسوخ بڑھانے اور سازشیں کروانے کا سب سے اہم طریقہ بن چکے ہیں۔ قرض دینے والے ممالک اِن منتخب شدہ منصوبوں اور طے شدہ شرائط کے ذریعے مقروض ملکوں کو اُس راہ پر لگا دیتے ہیں جس سے حقیقت میں مقروض ملک مزید غریب اور اُن کے حالات مزید خراب ہوں ہو، اور اُن کا مقروض ملکوں پر اثر ورسوخ بڑھ جائے، مزید برآں اِس سے مقروض ملکوں میں کوئی دولت نہیں آتی۔

قرضے ہر صورت میں خطرناک ہیں چاہے وہ پیداواری منصوبوں پر ہی کیوں نہ لگائے جائیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اگر قرضے قلیل مدت کے لیے دیئے گئے ہوں تو وہ قرض دار ملک کی کرنسی کو بُری طرح متاثر کرتے ہیں، کیونکہ قرض واپس کرنے کے لیے ملکی کرنسی نہیں تسلیم کی جاتی اور صرف غیر ملکی کرنسی میں ادائیگیوں کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اگر غیر ملکی کرنسی کی قلت کی وجہ سے قرض دار ملک غیر ملکی کرنسی میں ادائیگیاں کرنے سے قاصر ہو، تو وہ غیر ملکی کرنسی کو مہنگے دام خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس کا براہِ راست اثر ملک کی اپنی کرنسی کی قدر میں کمی کی شکل میں پڑتا ہے۔ تو اِس سے بچنے کے لیے وہ IMF کا رخ کرتا ہے، جو حقیقتاً امریکی اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے ملک کی اقتصادی صورتحال کو امریکی پالیسیوں کے مطابق چلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اِس کے علاوہ بسا اوقات قرض دار ممالک بیرونی کرنسی کے حصول کے لیے اپنی اشیاء سستے داموں برآمد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے اقتصادی طور پر وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔

اِس کے برعکس اگر قرضے طویل مدت کے لیے دیئے گئے ہوں تو اُس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِتنے عرصے میں قرضوں کا حجم اِس قدر بڑھ جائے کہ وہ مستقبل میں تجارتی توازن کو بگاڑنے کے ساتھ ساتھ قرض دار ملک کی نقد، سونا یا منقولہ اشیاء (movable properties) کے ذریعے قرض واپس کرنے کی قابلیت ہی نہ رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرض دار ملک پر یہ دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ یہ ادائیگیاں غیر منقولہ اشیاء (immovable properties) جیسا کہ، جاگیریں، زمینیں، صنعتیں، معدنی ذخائر اور کمپنیاں تک بیچ کر ادائیگیاں کرے۔ جس کی مثال اِنہی اداروں کی شرائط کے مطابق پاکستان میں بننے والے نجکاری کمیشن کی ہے جس کے تحت پاکستان کے تمام اہم اثاثہ جات بیچے جا رہے ہیں جبکہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا تقریباً 90 فیصد قرضوں کی ادائیگی کے لیے مختص ہوتا ہے۔

چنانچہ قرضہ لینے کے تباہ کن نقصانات واضح ہیں۔ ویسے بھی اِن میں سود شامل ہوتا ہے، اِس لیے یہ ہر حالت میں ناجائز ہی ہیں۔ تاہم یہ بھی واضح ہے کہ موجودہ نظام کے تحت کبھی بھی اِن قرضوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ یہ صرف خلافت ہی ہوگی جو مندرجہ بالا اسلامی احکامات کو نافذ کرے گی جس کے نتیجے میں اِن قرضوں سے چھٹکارا حاصل ہوگا۔ مزید برآں یہ ریاستِ خلافت اسلام کے اُن معاشی احکامات کو بھی نافذ کرے گی جس کے نتیجے میں ملک معاشی لحاظ سے خود کفیل ہوگا اور اُسے مزید قرضوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ انشاءاللہ

⊗⊗⊗

شام ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں

شام کو عالمی سطح پر ایک دھتکاری ہوئی (Pariah) ریاست کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو دہشت گردی کو فروغ دیتی ہے اور ایک سے زائد مرتبہ اسرائیل کے ساتھ جنگ کر چکی ہے۔ امریکہ بہت عرصے سے یہ دعویٰ کرتا آرہا ہے کہ شام حزب اللہ اور فلسطین میں موجود دہشت گرد گروہوں کی مدد کرتا ہے؛ اور یہ کہ شام کی لبنان میں مداخلت اور عراق میں دہشت گردوں کی پشت پناہی کرنا انتہائی غیر ذمہ دارانہ فعل ہے جو علاقائی امن اور استحکام کے لیے سازگار نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شام میں برسرِ اقتدار رہنے والی حکومتوں نے ہمیشہ مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور اسلام کو دبانے کی کوشش کی۔ اور اب جبکہ عرب دنیا میں تبدیلی کے لیے اُٹھتی ہوئی لہر شام میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے تو اُمت ان حالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے حرکت میں آ گئی ہے۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو شام ہمیشہ سے ہی دنیا کی عالمی طاقتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس کی زراعت میں ترقی اور اس کے بہترین نہری نظام کی بدولت اسے ''زرخیز ہلال'' (fertile crescent) کا خطاب ملا۔ ملک شام مشرق اور مغرب کے حکمرانوں کے لیے ایک ایسی گزرگاہ بن گیا جس کو انہوں نے طاقت اور دولت کی طلب میں ہمیشہ عبور کیا۔ ہر سمت سے آنے والی تہذیبوں نے شام پر اپنے نقوش چھوڑے، جن میں آرمینیائی، اُن کے بعد آشوری (Assyrians)، بابلی (Babylonian)، فارسی، اور آخر میں یونانی اور رومن حکمران شامل ہیں۔ اور ان سب کے بعد شام یا بلادِ شام مسلمانوں کے زیر اثر آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں بلادِ شام رومن کالونی تھی جہاں پر رومی ثقافت اور عیسائیت بہت غالب تھی۔ اسلام کی فتح سے پہلے بلادِ شام کا علاقہ 700 سال تک رومیوں کی حکمرانی کے نیچے رہا، جس میں فلسطین اور حجاز کے شمال سے انتولیا تک پھیلا ہوا تمام ریگستانی علاقہ شامل تھا۔ 629ء میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر قیصرِ روم کے گورنر کے ہاتھوں قتل ہونے والے اپنے ایک قاصد کی سزا کے طور پر بصرہ کے قریب رومی سرحدوں کی طرف بھیجا۔ یہ معرکہ جنگ موتہء کے نام سے مشہور ہے جس میں خالد بن ولیدؓ رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف بٹھانے میں کامیاب ہو گئے اور اس معرکہ میں مسلمانوں کے بہت ہی کم لوگ شہید ہوئے جبکہ مسلمانوں کی تعداد ایک کے مقابلے میں چھ تھی۔ اس کامیابی نے ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بننے کے بعد مدد دی جو اسلام کو پوری دنیا تک لے کر جانے کے اللہ کے عطا کردہ تصور کو آگے لے کر چلے۔

بلادِ شام کی فتح تین مرحلوں میں عمل میں آئی، سب سے پہلے مرحلے میں جنوبی شام کو ٹارگٹ کیا گیا جس کی سرحدیں حجاز سے ملتی تھیں اور مسلم افواج بہت کم مزاحمت ملنے کی وجہ سے آسانی سے جنوبی شام کے کھلے دیہاتی علاقوں کو اپنے زیرِ تسلط کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ دوسرا مرحلہ بازنطینی (مشرقی رومی سلطنت) حکمران کے زیرِ حکومت شام کے علاقے کو فتح کرنے پر مشتمل تھا۔ ہرکولیس نے اپنی شاہی افواج کو مسلمانوں سے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ دونوں افواج کا براہِ راست ٹکراؤ ہوا اور 636ء میں جنگِ یرموک کا معرکہ پیش آیا۔ بازنطینی شاہی فوج کو شکست ہوئی، بازنطینی ذیلی ریاست گساند (Ghassanid) کو شکست دی گئی اور جنگِ یرموک کے بعد تقریباً بارہ ہزار گساند مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ یہ ایک فیصلہ کُن شکست تھی جس کے بعد بازنطینی منظّم ہو کر شامی علاقوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی روکنے کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے۔ اور آخری مرحلہ بلادِ شام کے شمالی علاقوں میں فتوحات کو مستحکم کرنے پر مبنی تھا۔ بہت سے علاقے مزاحمت کرنے کے لیے بالکل تنہا رہ گئے کیونکہ بازنطینی افواج کو شکست فاش ہو چکی تھی لیکن پھر بھی انہوں نے کچھ مزاحمت کی۔ دمشق، بیروت اور آخر میں یروشلم اسلام کے زیر اثر آ گئے۔ مسلم افواج پیش قدمی کرتے ہوئے آرمینیا اور انتولیا میں بھی داخل ہو گئیں جو ہرکولیس کا وطن تھا۔ شہر کو باقی انتولیا سے کاٹ دیا گیا اور جب شہنشاہ کی طرف سے کسی مدد ملنے کی بہت کم اُمید رہ گئی تو آخر کار اینٹیوک (Antioch) نے 637ء میں اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ تمام بزنطینی سپاہیوں کو قسطنطنیہ تک پہنچنے کا محفوظ راستہ دیا جائے گا۔

دورِ اسلام:

بلادِ شام میں رہنے والے تمام لوگوں سے جزیہ کی ادائیگی پر اُن کی جان، جائیداد اور گرجا گھروں کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا۔ Nestorians اور Jacobites عیسائی فرقوں اور یہودیوں کو اسی حکمتِ عملی کے ذریعے ضم کیا گیا جو بازنطینی حکمرانی کے دور میں ظلم کا شکار تھے۔ اسلام کی حکمرانی کو مزید تقویت اُس وقت ملی جب دمشق اسلامی خلافت کا دارالحکومت بن گیا۔ Nestorians اور Jacobites عیسائی فرقوں کے فلسفی اور سکالر اسلامی تعلیمی اداروں میں سائنس اور دیگر علوم پڑھانے لگے اور انہوں نے اسلامی ریاست کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔ Nestorians مسلمانوں کے لیے بطور طبیب بھی خدمات انجام دینے لگے۔

بلادِ شام، جس میں فلسطین اور یروشلم کا علاقہ بھی شامل ہے، میں اسلام کو استحکام اُس وقت ملا جب بازنطینی افواج کو تباہ کر کے بکھیر دیا گیا۔ چار ماہ تک یروشلم کا محاصرہ جاری رہا اور جب مزید مزاحمت کی تمام اُمیدیں دم توڑ گئیں تو Patriach Sophronius (عیسائیت کا دفاع کرنے والی قوتوں کا سربراہ) نے ان شرائط پر ہتھیار ڈال دیے کہ عیسائیوں کو اپنے گرجا گھر اور درسگاہیں رکھنے کی اجازت ہو گی اور کسی عیسائی کو زبردستی مسلمان نہیں کیا جائے گا۔ Sophronius نے اس بات پر اصرار کیا کہ ان شرائط کی توثیق خلیفہ عمر بن الخطاب ذاتی طور پر کریں۔ عمرؓ یروشلم کے سرنڈر کو قبول

کرنے کے لیے خود تشریف لائے۔ عمری معاہدے پر اتفاق ہوا جس پر حضرت عمرؓ نے کچھ صحابہ کی گواہی میں اُمت کی طرف سے دستخط کیے، اور اس طرح اپریل 637ء میں یروشلم باضابطہ طور پر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

عمرؓ کی معاہدہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کے لیے ایک نمونے کے طور پر سامنے آیا، جو کہتا ہے:

"شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ وہ تحفظ ہے جو اللہ کے بندے، امیر المومنین عمرؓ بن خطاب نے ایلیا والوں کو دیا ہے کہ انکو، انکے اموال کو، انکے گرجا گھروں، انکے بچوں، انکے کمزوروں اور معصوموں اور انکے باقی لوگوں کو امان دی جاتی ہے۔ انکے گرجوں کو نہیں لیا جائے گا اور نہ وہ گرائے جائیں گے۔ نہ ہی ان کی، انکی صلیب کی اور انکے مال کی اہانت یا تذلیل کی جائے گی۔ اور ان میں سے کسی کو اپنے مذہب کو تبدیل کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچائے گا۔ اور ایلیا میں انکے ساتھ کوئی یہودی نہیں رہے گا اور ایلیا والوں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور ان سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ اس سرزمین سے رومیوں کو نکال دیں۔ ایلیا کے لوگوں میں سے جو کوئی بھی اپنے تجارتی مال اور بچوں کو پیچھے چھوڑ کر، رومیوں کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے مال کو ساتھ لے جانا چاہیں تو وہ اور انکے بچے اور انکا تجارتی مال اپنی منزل پر پہنچنے تک محفوظ ہیں۔ اس تحریر میں جو کچھ موجود ہے اس پر اللہ کا حکم، اسکے رسولؐ، خلیفہ اور تمام مسلمانوں کا عہد ہے اگر اہل ایلیا اس چیز کی ادئیگی کریں جو جزیہ کی مد میں ان سے مطلوب ہے"۔

اسلام کے نفاذ نے معاشرہ میں رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگوں کو انکی عبادات میں خلل نہ ڈال کر یکجا کر دیا۔ ریاست کو انکی وفاداری حاصل تھی جسکے بدلے میں ریاستِ خلافت نے انہیں پناہ اور تحفظ عطا کیا ہوا تھا۔ Arculf ایک فرانسیسی پادری جو ساتویں صدی میں زیارت کے لیے یروشلم آیا، نے مندرجہ ذیل احوال بیان کیے: دمشق کے خلفاء (661-750ء) روشن خیال اور بردبار حکمران تھے اور اپنے عیسائی باشندوں کے ساتھ اُن کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ بہت سے عیسائی مثلاً St. John Damascene, 754 CE, انکے دربار میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ بغداد کے عباسی خلفاء (753-1242ء) نے جب تک شام پر حکمرانی کی وہ عیسائیوں کے ساتھ بہت ہی عادل اور بردبار رہے۔ مشہور خلیفہ ہارون ابو جعفر (ہارون الرشید، 786-809ء) نے مقدس Sepulchre (یروشلم میں موجود ایک چرچ کا نام) کی چابیاں Charlemagne (شارلی میگنی) کو بھجوائیں جس نے لاطینی زائرین کے لئے مزار کے قریب ایک hospice (ہسپتال) بنوایا۔

دورِ اُمیہ:

خاندانِ اُمیہ نے اقتدار کی باگ دوڑ 661ء میں سنبھالی۔ معاویہ بن سفیان (661-680ء) بنو امیہ کے پہلے حکمران تھے اور انہوں نے اسلام پھیلانے کی پالیسی کو جاری رکھا۔ اُموی دور میں شمال مغربی افریقہ (مصر، الجزائر، تیونس اور مراکش) سپین، مغربی ہندوستان اور کچھ وسطی ایشیا کے علاقوں کو اسلامی علاقوں میں شامل کیا گیا۔ معاویہ نے خلافت کی فوج کو بھی مضبوط کیا جس میں طاقتور بحری فوج اور فوجی چھاونیوں کا قیام شامل تھا۔ معاویہ اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے کہ اس وقت کی سپر پاور، بازنطینیوں کے ساتھ فیصلہ کُن معرکہ سمندر میں ہوگا۔ معاویہ کی پالیسیوں کے نتیجہ میں شام میں Acre کے مقام پر اور مشرقی مصر، جو 641ء تک مسلمانوں کے کنٹرول میں آگیا تھا، کشتیاں بنانے کی فیکٹریاں (Dockyard) تعمیر کی گئیں۔ 649ء تک 1000 بحری بیڑوں کی تعمیر مکمل تھی۔ اسی حکمت عملی کے نتیجے میں اہم بندرگاہوں خلیج فارس، آبلہ اور سیرافن کے مقام پر، شمالی افریقہ کے ساحل پر تیونس میں، مراکش میں سُس (SUS) میں اور بعد میں مزید فتوحات کے بعد سسلی میں Palermo اور Messina، جبکہ اٹلی میں Bari کے مقام پر کشتیاں بنانے کی فیکٹریاں تعمیر کی گئیں۔ سو سال کے اندر ہی یہ بندرگاہیں کاروباری مراکز بھی بن گئیں جس کی وجہ سے خلافت کے خزانہ میں اضافہ ہوا۔

اموی خاندان کی ان معاشی اور جنگی حکمتِ عملی کے نتیجے میں ایک دفاعی حصار قائم ہوا جو دو بڑی چھاونیوں اور ایک مضبوط بحری فوج کی صورت میں موجود تھا۔ بربر سے مسلمان ہونے والا طارق بن زیاد نے 711ء، میں 7 ہزار 3 سو فوجیوں کے ساتھ Tangier (موجودہ دور کے مراکش) کے مقام کے پاس سے آبنائے جبرالٹر عبور کیا اور اسپین کی فتح کا آغاز کیا۔

یہ اموی ہی تھے جنہوں نے پہلی بار ایک خاص معیار کے مطابق کرنسی کے سکے جاری کیے جنہوں نے بازنطینی اور فارس کے جاری کردہ سکوں کی جگہ لی جو خلیفہ عبدالملک کے دور تک واحد کرنسی تھی جو گردش کر رہی تھی۔ عبدالملک نے درہم کے سکوں کو خاص اسلامی طرز پر تیار کیا اور اُن کے اوپر اسلامی عبارات کو 'کوفی رسم الخط' میں کندہ کروایا اور فارسی طرز کو ختم کیا۔ اُس نے دینار کے سکوں کو بھی ایک خاص اسلامی طرز پر تیار کیا اور اُن پر کوفی رسم الخط میں اسلامی عبارات کندہ کروائیں اور پچھلے بازنطینی رسم الخط کو ختم کر دیا۔ جب عبدالملک نے درہم و دینار کو خاص اسلامی طرز دیا تو مسلمانوں کے پاس منفرد اسلامی طرز پر اپنی ایک مختلف کرنسی تھی اور انہوں نے دوسرے لوگوں کی کرنسی کا استعمال ترک دیا۔ اسکے نتیجے میں عباسی دور میں مالیاتی اور کرنسی کے تبادلے کے نظام میں نفاست اور ترقی آئی۔

دورِ عثمانی:

عثمانی خلفاء نے 1616ء میں بلادِ شام پر حکمرانی شروع کی اور خطے کو چار ولایات میں تقسیم کیا۔ الیپو (Aleppo)، دمشق (Damascus)، تریپولی (Tripoli) اور سڈن (Sidon) (موجودہ لبنان)۔ صنعتی انقلاب اور اُس کے بعد مغربی طاقتوں کی طرف سے دنیا میں ہونے والے استعماری غلبے کے بعد اسلامی علاقے مغرب کی لالچی نظروں میں آگئے۔ انیسویں صدی میں نپولین نے شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں یورپی استعمار کی راہ ہموار کی۔ فرانس، برطانیہ اور اٹلی نے خطے کو آپس میں بانٹ کر اپنے اپنے اثر و رسوخ کا دائرہ قائم کر لیا۔

پہلی عالمی جنگ شروع ہونے کے بعد عثمانیوں نے جرمنی کا ساتھ دیا اور اتحادی افواج کے ہاتھوں شکست کے بعد عثمانی خلافت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ برطانوی جاسوس ٹی ای لارنس (TE Lawrence) نے ہاشمی شاہی خاندان کے شہزادہ فیصل سے، (برطانوی) بادشاہ کی طرف سے عثمانیوں اور جرمنز کے خلاف مدد فراہم کرنے کے عوض عربوں کی آزادی کا وعدہ کیا۔ عرب اور انگریز افواج 1818ء میں دمشق کی طرف بڑھیں اور 1920ء میں فیصل شامی صوبائی کانگریس (Syrian Provisional Congress) کی طرف سے بادشاہ منتخب ہوگیا۔ تاہم 1916ء کے خفیہ Sykes-Picot معاہدہ خطے کو فرانس اور برطانیہ میں تقسیم کرچکا تھا۔ فرانس کو شام اور لبنان کا علاقہ ملا جبکہ برطانیہ نے عراق، اُردن اور فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ فرانسیسی افواج دمشق میں داخل ہوگئیں اور فیصل کو نکال کر فلسطین کی طرف بھیج دیا۔ Sèvres کے معاہدے نے خطے کی اسوقت کی نئ استعماری شکل واضح کردی۔ فرانس نے شام کو لبنان سے الگ کر کے "گریٹر لبنان". کی ایک نئی ریاست کی بنیاد رکھی۔ فرانس نے شام کے باقی علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کردیا۔ جس کے نتیجے میں Latakia,Aleppo، (جہاں پر علوی رہتے ہیں)، دمشق اور جنوب میں جبل دُریز کے ضلعے بنے۔ آخری فرانسیسی فوجی نے 1946ء میں شام کو چھوڑا اور اُس وقت سے شام 17 اپریل کو آزادی کے دن کے طور پر مناتا ہے۔

مسلمانوں نے صدیوں شام کو قومیت کی لعنت سے پاک رکھا، لیکن مغربی ثقافت کے زیر اثر بہت سے عربوں نے جو مغربی تسلط سے آزادی کے کے لیے بےچین تھے، عرب قومیت کی طرف رجوع کیا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد مختلف افراد اور سیاسی گروہوں کی طاقت حاصل کرنے کی خواہش نے 1963ء میں بعث پارٹی کی بغاوت کو جنم دیا۔ اگرچہ بعث پارٹی کچھ اشتراکی نظریات کی پرچار کرتی تھی اصل میں یہ بھی صرف اقتدار کی متلاشی تھی۔ پھر 1967ء میں گولان کی پہاڑیوں کو اسرائیل کے ہاتھوں کھودینے کے نقصان نے اُمت کو مزید کمزور کر دیا۔

دورآل اسد:

1971ء میں حافظ الاسد نے اقتدار کی باگ دوڑ سنبھالی اور 2000ء میں اپنی موت تک اس پر قابض رہا۔ حافظ الاسد انتہائی ظالم حکمران ثابت ہوا جس نے اپنے اقتدار کو لاحق کسی بھی خطرے کو روکنے کے لیے آزاد میڈیا اور کھلے عام سیاسی مباحثہ پر پابندی لگائے رکھی۔ اُس نے خفیہ پولیس مخابرات کو بہت مضبوط کیا اور اُن کو مستقل جاسوسی کے نیٹ ورک میں تبدیل کردیا۔ اسی قسم کے اسالیب 1982ء میں ہما (Hama) میں اخوانُ المسلمین کو کچلنے کا باعث بنے۔

2 فروری 1982ء کے صبح کے اوقات میں ہماء (Hama) شہر زور دار دھماکوں سے جاگا۔ شام کی فضائی افواج نے شہر پر تہہ در تہہ بمباری (Carpet Bombing) شروع کردی۔ اس بمباری کا مقصد سڑکوں کو تباہ کرنا تھا تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے۔ شامی ٹینکوں اور آٹلری نے راتوں رات شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ اور جیسے ہی فضائی بمباری ختم ہوئی شامی ٹینکوں اور آٹلری نے انتہائی سفاکی سے شہر پر شیلنگ شروع کردی۔ تقریباً 30 سے 40ہزار لوگ اس ظلم میں ہلاک ہوئے۔

استعماری دور کے بعد کی بہت سی حکومتوں کی طرح، جہاں پر کفار کا براہِ راست قبضہ تو ختم ہوگیا لیکن اُن کے حکمرانوں کی اپنے مغربی آقاؤں سے وفاداری ختم نہیں ہوئی، شام بھی مکمل طور پر غیر ملکی طاقتوں کا وفادار رہا اور کچھ موقعوں پر امریکہ کے انتہائی وفادار نوکر کے طور پر اس کی کارکردگی شاندار رہی۔ امریکہ نے گولان کی پہاڑیوں کے معاملے کو حل کروانے کے لیے، جس پر اسرائیل نے 1967ء کی جنگ میں قبضہ کرلیا تھا، اسرائیل اور شام کے درمیان خفیہ مذاکرات کروائے۔ اسرائیلی اخبار Ha'aretz نے کہا'' میٹنگز ستمبر 2004ء میں یورپ میں شروع ہوئیں جس کا آغاز شام کی طرف سے ہوا تھا۔ بات چیت سکیورٹی، سرحدوں، پانی اور تعلقات کو معمول پر لانے پر مشتمل تھی۔ اسد کی غداری کی کوئی حدیں نہیں تھیں یہاں تک کے اُس نے ان خفیہ مذاکرات کو اسرائیل کے ساتھ باقاعدہ امن منصوبے میں بدلنے کی کوشش کی لیکن تل ابیب اور واشنگٹن دونوں نے اس منصوبے کو ٹھکرا دیا۔

عراق میں عام تاثر یہ ہے کہ شام عراق میں داخل ہونے والے اسلامی جنگجوؤں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے تاکہ عراقی حکومت کی اتھارٹی کو کمزور کیا جا سکے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شام نے اسلامی جنگجوؤں میں داخل ہوکر اہم جاسوسی معلومات امریکی قیادت میں لڑنے والے اتحاد کے حوالے کرنے میں ایک فعال کردار ادا کیا۔ جب سُنی جنگجوؤں نے بعثیوں (Bathists) کو اسلام کی حمایت کرنے کے بدلے میں مادی مدد کے پیشکش کی تو یہ شام ہی تھا جس نے دونوں کے درمیان تفریق ڈالی۔ شام نے 24سال کی سفارتی تعلقات کی عدم موجودگی کے بعد عراق کے ساتھ مکمل سفارتی تعلقات بحال کر لیے۔

شام نے صدام حسین کے خلاف پہلی خلیجی جنگ میں امریکی سربراہی میں بننے والا کثیر الملکی اتحاد میں بھی حصہ لیا، جس نے مکمل طور پر شام کے دیگر عرب ریاستوں کے ساتھ تعلقات پر پانی پھیر دیا۔ شام وہ واحد غیر شاہی (Non-Monarchical) عرب ریاست تھی جس نے عراق کے خلاف پہلی خلیجی جنگ میں امریکہ کی پشت پناہی کی اور آپریشن ڈیزرٹ شیلڈ (Desert Shield) کی مدد کے لئے اپنے فوجی دستے بھی روانہ کیے۔ شام نے القاعدہ، طالبان اور دیگر گروہوں اور اشخاص کے خلاف بھی امریکہ سے تعاون کیا۔ شام نے القاعدہ اور دوسرے انتہا پسند گروہ جو یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں موجود تھے، کے خلاف سینکڑوں کی تعداد میں انتہائی اہم دستاویز امریکہ کے حوالے کیں، جن میں اُن بنیاد پرست گروہوں کی سرگرمیوں اور جاسوسی کی معلومات اور اُن کے مستقبل کے مبینہ منصوبوں کے بارے میں آگاہ کیا گیا تھا۔ CIA ذرائع نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ" شام سے ملنے والی خفیہ معلومات کی تعداد اور معیار اُن کی اُمیدوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن شام کو اس کے بدلہ میں بہت ہی کم فائدہ حاصل ہوسکا''۔ بلکہ شام کو اس کے بدلہ میں

جو حاصل ہوا وہ اس کے منہ پر تھپڑ ہے ، جب 2003ء میں شام احتساب ایکٹ(Syria Accountability Act)، دونوں امریکی پارٹیوں کی غالب اکثریت سے منظور ہوا جس نے شام پر ممکنہ امریکی عسکری حملے کی راہ ہموار کی ۔ یہ قانون امریکی حملے کیلئے اس سے زیادہ تفصیل سے دلائل پیش کرتا ہے جتنا امریکی انتظامیہ نے عراق پر حملے کے وقت دی تھی۔ قانون یہ کہتا ہے کہ ''اتحادی افواج یا کسی بھی امریکی شہری کو عراق میں پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار شام ہوگا، اگر شامی حکومت دہشت گردوں کو مدد فراہم کرنے اور عراق میں اسلحہ کی کھیپ بھجوانے میں ملوث پائی گئی''۔

اسد اور اس کے خاندان کی یہ تاریخ ہے کہ انہوں نے ہر اُس شخص کو تشدد کا نشانہ بنایا اور قتل کیا جس نے اسلام کے لیے آواز اُٹھائی اور اقتدار پر ان کے قبضے کو چیلنج کیا۔ لوگوں کا اغوا ہونا معمول ہے جنہیں شام کے بدنام خفیہ ٹارچر سیلوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''کمال لوانی'' اور اُس کے 6 کارکن جو شام میں تبدیلی کے لیے پُکار رہے تھے کو وائٹ ہاوس کے عہدیداروں سے ملنے کے بعد 12 سال کی سزا ہوئی ۔ یہ سزا ایک بڑے کریک ڈاؤن کا حصہ تھی۔ ''انور بُنی''، ہیومن رائٹس کے ایک وکیل کو پچھلے ماہ، پانچ سال کی سزا ہوئی کیونکہ وہ'' غلط معلومات'' پھیلا رہا تھا اور غیر ملکی طاقت سے رابطے میں تھا۔

1999 ء کے خزاں میں شامی سکیورٹی فورسز نے حزب التحریر کے ممبران کو گرفتار کرنے کے لیے ایک وسیع مہم شروع کی۔ حافظ اسد اور بل کلنٹن کے مابین ہونے والی میٹنگ کے فوراً بعد حزب کے ممبران نے شامی حکومت کی قابض شامی علاقوں اور فلسطین کے مسئلے پر غدارانہ پالیسیوں سے متعلق پمفلٹ تقسیم کیے تھے۔ سکیورٹی فورسز حزب کے کچھ حلقات میں اپنے جاسوس گھسا دینے میں کامیاب ہو گئیں اور حزب کے ممبران اور سپورٹرز کو گرفتار کرنے کے لیے مہم شروع کی۔ یہ گرفتاریاں 2001 سے 2002 تک جاری رہیں جس میں ایک نئی لہر میں لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ شام کی ہیومن رائٹس کمیٹی نے حزب التحریر کے اُن گرفتار لوگوں کی فہرست جاری کی جن کو (Saydanya) کی جیل میں رکھا گیا جن کی تعداد تقریباً 60 تک پہنچ گئی تھی۔

یہ زیادہ دور نہ تھا کہ شام کے مسلمان تبدیلی کا مطالبہ کرتے۔ اپنے بہن بھائیوں کی دیکھا دیکھی جنہوں نے تیونس، مصر اور لیبیا میں سڑکوں پر آ کر اپنے حکمرانوں کو اکھاڑ پھینکا، شام کے لوگ سڑکوں پر اُمڈ آئے تا کہ وہ اپنے سروں پر موجود مغرب کے مسلط کردہ ظالم حکمرانوں کو تبدیل کر سکیں۔ شام کے کافر علوی حکمرانوں نے ان مظاہروں کو روکنے کے لیے، مظاہرین پر گولیاں برسانے سے لے کر جنازوں میں شرکت کرنے والوں پر گولیاں برسانے تک، ہر قسم کا حربہ استعمال کیا، لیکن وہ لوگوں کو اٹھنے سے روکنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ شام کی اسلام کے ساتھ وابستگی کی ایک طویل تاریخ ہے، یہ اسلامی نظام ہی تھا جس نے شام کو عالمی طاقت میں بدل دیا اور اُسی شان وشوکت کی وجہ سے بہت سے لوگ اس خطے کی طرف کھنچے چلے آئے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی نصرت سے نوازے اور اس ناجائز حکومت اور اس کے نافذ کردہ کفریہ نظام کو تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دے اور شام اسلام کے سائے تلے دوبارا عالِم اسلام کا قلب بن جائے۔

⊗⊗⊗

یمنی نائب صدر کی آنے والے امریکی حکام سے بات چیت:

یمن کی سرکاری خبر رساں ایجنسی صباء کے مطابق یمنی نائب صدر عبدالرب منصور ہادی نے بدھ کے روز آنے والے امریکی قریب مشرقی معاملات کے معاون سیکریٹری Feltman Jeffery سے بات چیت میں یمن کے دیرینہ سیاسی تعطل پر بحث کی۔ صباء نے Feltman کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ''امریکی حکومت ہادی کی جانب سے اُٹھائے گئے ذمہ دارانہ اقدام کی بہت ممنون ہے، جن میں جنگ بندی کا احترام کرنا، مسلح افراد کو شہروں سے نکالنا اور ہادی کا حزبِ اختلاف کے راہنماؤں اور نوجوانوں کی قیادت میں نکلنے والے احتجاجیوں سے ملنا شامل ہے''۔ صبا کے مطابق Feltman نے تصدیق کی ہے کہ امریکی حکومت ان تمام جماعتوں کی مدد کرے گی جو یمن کی حفاظت، استحکام اور اتحاد کی خاطر کام کریں۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں کو کہا کہ وہ تعمیری مباحثے میں شامل ہوں اور اپنے وطن کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں۔ اپنی طرف سے ہادی نے امریکی صدر باراک اوباما کی تشویش کو سراہتے ہوئے کہا کہ ''اس سے ملک کو سیاسی تعطل کے مشکل ترین دور سے نکلنے میں مدد ملی''۔ ہادی نے اس بات کی توثیق کی کہ فی الحال سب سے پہلی ترجیح مخالفین کی حمایت یافتہ مسلح قبائلیوں سے صلح برقرار رکھنا اور معیشت وملکی حفاظت کو معمول پر واپس لانا ہے۔ ہادی، صالح کے محل پر ہونے والے بم دھماکے کے نتیجے میں صالح کے زخمی ہوکر علاج کے لیے سعودی عرب جانے سے قائم مقام صدر بن گئے ہیں۔

امریکہ 2012ء کے آخر تک 33,000 فوجی نکال لے گا:

صدر اوباما نے بدھ کو Oval Office میں دیئے گئے بیان میں اشارہ دیا کہ افغانستان میں جاری جنگ کی امریکی حمایت میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ کہ اگلے 15 مہینوں میں 100,000 میں سے 33,000 فوجیوں کا انخلاء ہو جائے گا۔ ستمبر 2012ء کے آخر تک ہونے والا انخلا، جو کہ اوباما کے دوبارہ الیکشن سے کچھ ہفتوں قبل ہو گا، فوجی قیادت کی خواہش سے زیادہ تیز اور ٹھوس ہے اور اسے ایک دھائی سے جاری جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اندرونِ ملک بے چینی کو تسلیم کرنا سمجھا جائے گا۔ اوباما نے کہا کہ ''ہم یہ انخلا طاقتور کی حیثیت سے کر رہے ہیں۔ اس وقت القائدہ ۹/۱۱ کے بعد سب سے شدید دباؤ میں ہے۔ پاکستانیوں کے ساتھ مل کر ہم نے القائدہ کی آدھی سے زیادہ قیادت ختم کر دی اور اپنے انٹیلی جنس افسران کے توسعت سے ہم نے اسامہ بن لادن کو مار ڈالا جو کہ القائدہ کا واحد سربراہ رہا ہے۔ اس جنگ میں ہماری کوششوں کو سمیٹنے کی یہ شروعات ہیں، اختتام نہیں۔ ہمیں سخت محنت کرنی پڑے گی تا کہ ہم حاصل کئے گئے فائدے کو اس دوران میں برقرار رکھ سکیں جب ہم اپنی فوجوں کا انخلاء کریں اور حفاظت کی ذمہ داری افغان حکومت کے سپرد کریں''۔

⊗⊗⊗

حزب التحریر سے متعلق عام طور پر پوچھے جانے والے سوالات

سوال: حزب التحریر کیا ہے؟

جواب: حزب التحریر ایک عالمی اسلامی سیاسی جماعت ہے جو ۱۹۵۳ء میں مشہور سکالر، مفکر، قابل سیاستدان اور القدس (یروشلم) میں شریعہ اپیلٹ کورٹ کے جج شیخ تقی الدین النبہانی نے قائم کی تھی۔

اسلامی دنیا میں حزب التحریر معاشرے کے ہر گوشے میں اس ہدف کے لیے کام کرتی ہے تا کہ مسلمان ایک خلافت کے سائے تلے اسلامی طرز زندگی کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اور اسلام کا پیغام ساری دنیا تک پہنچا سکیں۔

حزب التحریر مغرب میں مسلم کمیونٹی میں اس لئے کام کرتی ہے تا کہ مغرب میں رہنے والے مسلمان بھی اسلام کی فکر کو اختیار کریں اور مغربی ثقافت کے اثرات سے محفوظ رہیں نیز حزب انہیں مسلمانوں کی وحدت اور خلافت قائم کرنے کا فرض یاد دلائے، اور وہ عالمِ اسلام میں خلافت کے قیام کی کوششوں کو مضبوط کریں۔

سوال: کیا حزب التحریر ایک تحریری یا علمی جماعت ہے؟

جواب: جی نہیں۔ حزب التحریر کوئی روحانی، علمی، تعلیمی یا خیراتی جماعت نہیں، بلکہ یہ ایک سیاسی جماعت ہے، جس کی آئیڈیالوجی اسلام ہے۔ اگر چہ حزب امت کے اندر پمفلٹس تقسیم کرتی ہے لیکن اس کا مقصد صرف لوگوں کی آگاہی نہیں ہے بلکہ اس آگاہی کے ذریعے سیاسی وفکری جدوجہد ہے۔ مزید برآں حزب کے سیاسی اعمال میں ریلیاں، پبلک میٹنگز، عوام رابطہ مہم اور اس جیسے دوسرے اسالیب شامل ہیں۔

جہاں تک حزب التحریر کے نام کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ''لکھنے والی جماعت'' ہرگز نہیں بلکہ ''حـزب التحـریر'' عربی زبان کے الفاظ ہیں جن کا مطلب ''حریت والی جماعت'' یا Party of Liberation ہے۔ یعنی یہ ایک ایسی جماعت ہے جو کفریہ افکار، کفریہ نظاموں اور مغربی ایجنٹ حکمرانوں سے امتِ مسلمہ کو نجات دلانے کے لیے کام کر رہی ہے۔

سوال: حزب التحریر اپنے آپ کو 'اسلامی سیاسی جماعت'' کیوں کہتی ہے؟

جواب: سیکولر روایات کے برخلاف، اسلام میں دین اور سیاست جدا جدا نہیں۔ حزب التحریر جو اعمال کرتی ہے وہ سیاسی اعمال ہیں۔ اسلام کی تعریف کے مطابق سیاست لوگوں کے امور کا اسلام کے ذریعے دیکھ بھال کا نام ہے۔ حزب التحریر کے اعمال سیاسی ہیں کیونکہ حزب اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال ریاستی سطح پر اسلام کے نفاذ کے ذریعے ہو نیز حزب اسلام کے عدم نفاذ اور مغرب کی کاسہ لیسی پر حکمرانوں کا محاسبہ کرتی ہے جو کہ ایک سیاسی عمل ہے۔

سوال: حزب التحریر کا خلافت لانے کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: حزب رسول اللہ ﷺ کے ۱۳ سالہ مکی دور سے اپنا طریقہ کار اخذ کرتی ہے جس کے نتیجہ میں مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ حزب اس طریقہ کار کو شرعی طور پر فرض گردانتی ہے۔ اس منہج میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی جدوجہد کو صرف فکری اور سیاسی جدوجہد تک محدود رکھا۔ اور کسی تشدد اور ہتھیار کے بغیر مدینہ میں ریاست قائم کی۔ انہوں نے اس وقت کے باطل افکار اور نظام کے خلاف فکری اور سیاسی جدوجہد کی تا کہ اسلام کے حق میں رائے عامہ تیار کی جاسکے۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ پر بدترین مظالم، بائیکاٹ اور تشدد کے باوجود کبھی بھی تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا۔

ہم انتہائی سختی کے ساتھ اسی منہج پر کاربند ہیں کیونکہ نہ صرف ہم شرعی طور پر اس کے پابند ہیں بلکہ درحقیقت ایک نظام اس کے بغیر تبدیل کیا ہی نہیں جا سکتا جب تک سیاسی اور فکری طور پر عوام کو ایک دوسرے نظام کے لئے تیار نہ کیا جائے۔ اس لئے حزب التحریر اسلامی افکار معاشرے میں پھیلانے میں انتہائی سرگرم ہے اور انتہائی جراءت کے ساتھ موجودہ کفریہ افکار کو چیلنج کرتی ہے۔

حزب اسلام کو ایک مکمل طرز زندگی کے طور پر پیش کرتی ہے جو لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ حزب سیاسی واقعات پر اپنی رائے اور اسلامی نقطہ نظر سے متعلق اپنا تجزیہ شائع کرتی رہتی ہے۔ حزب اپنے افکار عوام الناس میں پھیلانے کے لئے سٹڈی سرکل، لیکچرز، سیمینار، پمفلٹ کی تقسیم، کتابیں چھاپنا اور انٹرنیٹ وغیرہ جیسے تمام اسلوب استعمال کرتی ہے۔ حزب کے طریقہ کار کی مزید تفصیلات ہماری کتاب ''تبدیلی لانے کیلئے حزب التحریر کا منہج''، میں درج ہیں۔

سوال: حزب التحریر کہاں کام کرتی ہے؟

جواب: حزب مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیاء، برصغیر پاک و ہند، انڈونیشیا، ملائیشیا، افریقہ کے ممالک، یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا سمیت 40 سے زیادہ ممالک میں سرگرم عمل ہے۔

سوال: کیا حزب التحریر کا کسی اور جماعت اور گروہ سے بھی تعلق ہے؟

جواب: حزب التحریر نہ تو کسی اور جماعت سے الگ ہو کر بنی ہے نہ یہ کسی بھی لحاظ سے کسی بھی اور جماعت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے سوائے بحث ومباحثے اور دعوت کیلئے، جو تعلق وہ تمام امت سے رکھتی ہے۔

سوال: آخر حزب التحریر اتنے ممالک میں کالعدم کیوں ہے؟

جواب: حزب التحریر اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لحاظ سے مسلمان دنیا میں پہلی صفوں میں ہے ۔ حزب نے اپنی جدوجہد کے دوران مسلم دنیا کے جابر حکمرانوں کو انتہائی جراءت سے چیلنج کیا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض ادا کیا ہے۔ اگرچہ ہمارا چیلنج فکری اور سیاسی نوعیت کا ہے لیکن ان حکمرانوں کا جواب ہمیں پابندیوں جیلوں اور تشدد کی شکل میں ملا ہے کیونکہ ان حکمرانوں کے پاس اپنی کوئی فکر نہیں اور یہ حکومتیں کسی قسم کی اپوزیشن یا اختلاف رائے برداشت نہیں کرتیں۔ لیکن ان سب کے باوجود حزب اپنے افکار اور خیالات معاشرے میں کامیابی سے پہنچا رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے پابندیوں اور تشدد کا سامنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حزب اپنے افکار کے ذریعے معاشرے پر اثر انداز ہو رہی ہے ۔ حزب ان غدار حکمرانوں کے ساتھ کسی قسم کے ''خفیہ تعاون'' کی قائل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حزب التحریر اتنے ممالک میں کالعدم قرار دی گئی ہے۔

سوال: حزب التحریر اپنے فنڈ کہاں سے حاصل کرتی ہے؟

جواب: حزب التحریر اپنے اخراجات اپنے ممبران سے حاصل کرتی ہے اور کسی بھی حکومتی ادارے یا حکومت سے کوئی فنڈ قبول نہیں کرتی۔ چونکہ حزب کا بنیادی کام افکار پھیلانا ہے اس لئے حزب کے اخراجات باقی جماعتوں کے مقابلے میں انتہائی معمولی ہیں۔ اسی طرح چونکہ حزب جمہوری الیکشن میں حصہ نہیں لیتی نتیجتاً اسے الیکشن لڑنے کیلئے بھی کروڑوں روپے نہیں چاہیے۔

سوال: حزب التحریر کا امیر کون ہے اور وہ کہاں ہوتے ہیں؟

جواب: حزب التحریر کے عالمی لیڈر شیخ عطاء بن خلیل ابو رشتہ ہیں اور وہ اسلامی دنیا میں ہوتے ہیں۔ وہ متعدد اسلامی سیاسی وقانونی کتابوں کے مصنف ہیں اور اس سے پہلے اردن میں پارٹی کے ترجمان کی ذمہ داری ادا کر چکے ہیں، اپنی ترجمانی کے دور میں اردن میں انہیں کئی سالوں کیلئے قید بھی رکھا گیا۔ جس کے دوران ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا۔ پارٹی کی امارت کے بعد انہوں نے یمن اور پاکستان میں قومی کانفرنسوں میں خطاب بھی کیا ،اس کے علاوہ پارٹی کی ویب سائٹ www.hizb-ut-tahrir.info پر باقاعدگی سے ان کے خطاب آتے رہتے ہیں۔

سوال: کیا حزب التحریر ''انڈر گراؤنڈ'' جماعت ہے؟

جواب: حزب التحریر ایک سیاسی جماعت ہے اور ایک سیاسی جماعت انڈر گراؤنڈ رہ کر اپنی جدوجہد کر ہی نہیں سکتی۔ حزب التحریر کے تمام ممبران کھلے عام امت میں دعوت کرتے ہیں، پمفلٹ تقسیم کرتے ہیں اور مظاہرے، تقریریں، سیمینار، سٹڈی سرکل اور فورمز کا انعقاد کرتے ہیں۔ حزب التحریر کے نامزد ترجمانوں کا ہونا بذات خود اس کے انڈر گراؤنڈ نہ ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن تقریباً تمام اسلامی ممالک میں حکمران ، حزب التحریر کی سیاسی سرگرمیوں کو میڈیا پر آنے سے روکتے ہیں اور انہوں نے حزب التحریر کا ''میڈیا بلیک آؤٹ'' کر رکھا ہے۔

سوال: حزب التحریر میں کیسے شامل ہوا جا سکتا ہے؟

جواب: حزب کی ممبرشپ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے کھلی ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی ملک، فقہ، زبان یا قومیت سے ہو کیونکہ حزب انہیں صرف مسلمان کی حیثیت سے دیکھتی ہے ۔ کوئی شخص حزب کا ممبر حزب کے نظریات کو پڑھ، سمجھ اور اپنا کر ہی بن سکتا ہے جب وہ اس پر غور وفکر کر کے اپنے آپ کو ان نظریات کے مطابق ڈھال لے۔ حزب کے ساتھ تعلق خالصتاً حزب کے افکار ونظریات میں گہرائی اور ان پر عمل پر منحصر ہے۔

سوال: کیا خواتین بھی حزب میں شامل ہو سکتی ہیں؟

جواب: حزب التحریر میں خواتین بھی سرگرم کردار ادا کرتی ہیں، وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو پورا کرتی ہیں، جس میں حکمران کا احتساب بھی شامل ہے۔ کئی مسلم ممالک میں حزب کی خواتین بھی جابروں کی جیلوں میں حکمرانوں کے مظالم کا سامنا کر رہی ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق خواتین کی سرگرمیاں مردوں سے الگ ہوتی ہیں

⊗⊗⊗

امریکہ انٹرنیٹ حملوں سے بچنے کے لیے مجازی انٹرنیٹ بنا رہا ہے:

رائٹرز اور دوسرے خبر رساں اداروں کے مطابق امریکہ انٹرنیٹ حملوں کے خلاف اپنی مدافعت بڑھانے کی خاطر انٹرنیٹ کا ایک مجازی نمونہ بنا رہا ہے۔ نیشنل سائبر رینج کے نام سے پہچانا جانے والا یہ مجازی نمونہ اعلیٰ دفاعی تحقیقاتی ایجنسی (DARPA) کی جانب سے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس نے تقریباً 40 سال قبل خود انٹرنیٹ کی شروعات کی تھی۔ یہ نیا مصنوعی چھوٹا انٹرنیٹ واشنگٹن کو متعدد مجازی انٹرنیٹ جنگی کھیل تشکیل دینے کا موقع فراہم کرے گا جس کے ذریعے وہ مختلف ٹیکنالوجی ومنظر ناموں کو انٹرنیٹ حملوں کے خلاف آزما سکے گا۔ اس نئے نظام کے پہلے مرحلے پر کام کرنے لے لیے دفاعی ٹھیکیدار Lockheed Martin کو 5.4 ملین ڈالر کا ٹھیکہ DARPA کی جانب سے 2009ء کے اوائل میں دیا گیا۔ اس کمپنی نے اپنے انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کے ماہرین مہیا کیے ہیں تاکہ وہ DARPA کے ساتھ مل کر یہ نیا تجرباتی نظام بنا سکیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ Lockheed خود حال ہی میں انٹرنیٹ حملوں کا شکار ہوئی، جس میں ہیکرز نے محفوظ شناخت کی برقی چابیوں کی نقل استعمال کرتے ہوئے نیٹ ورک حفاظت توڑنے میں کامیاب ہوگئے۔

⊗⊗⊗

سلیم سیٹھی

پاکستان کا آئین ہرگز اسلامی نہیں بلکہ سیکولرازم اور مغربی تصورات کی پیداوار ہے

آئین یا دستور وہ قانونی دستاویز ہوتا ہے جس کے مطابق ایک ملک کا سیاسی لحاظ سے انتظام وانصرام کیا جاتا ہے۔ لفظ 'قانون'(Law) ایک مغربی اصطلاح ہے اور اُن لوگوں کے نزدیک اس کا معنی ہے: وہ حکم جسے حکمران صادر کرتے ہیں تاکہ لوگ اس پر چلیں۔ قانون کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے کہ: ''انسانوں کے تعلقات کے بارے میں قواعد کا وہ مجموعہ، جن کی پیروی کرنے پر حکمران لوگوں کو مجبور کرے''۔ کسی بھی حکومت کے اساسی قانون کے لیے 'دستور' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ دستور کی بنیاد پر وجود میں آنے والے نظام سے نکلنے والے قانون (احکامات) پر بھی لفظ قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ دستور کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''وہ قانون، جو ریاست اور ریاست کے نظامِ حکمرانی کی شکل وصورت متعین کرے، اور اس میں موجود ہر اتھارٹی کی حدود اور ذمہ داریوں کو واضح کرے۔'' یا ''دستور وہ قانون ہے جو عوامی اتھارٹی یعنی حکومت کو منظّم کرتا ہے اور حکومت کے ساتھ افراد کے تعلقات کی حدود متعین کرتا ہے، افراد پر حکومت کے حقوق اور ذمہ داری اور اسی طرح حکومت پر افراد کے حقوق اور ذمہ داری کی وضاحت (نشاندہی) کرتا ہے''

دستور مختلف طریقوں سے وجود میں آئے۔ کچھ دستور قوانین کی شکل میں مرتب کیے گئے اور بعض دساتیر نے عادات اور رسوم ورواج سے جنم لیا، جیسا کہ برطانیہ کا دستور ہے۔ اس طرح بعض دستور ایسے ہوتے ہیں، جنہیں قومی اسمبلی کی وہ کمیٹی وضع کرتی ہے، جسے اس وقت یہ اتھارٹی حاصل ہوتی ہے۔ وہی دستور وضع کرتی ہے اور وہی اس دستور میں تبدیلی کے طریقۂ کار کا تعین کرتی ہے۔ پھر یہ کمیٹی ختم ہوجاتی ہے اور اس کی جگہ وہ اتھارٹی لے لیتی ہیں جو اس دستور کی بدولت وجود میں آتی ہے، جیسا کہ فرانس اور امریکہ میں ہوا۔

تاہم ایک مسلمان ہونے کے ناطے یہاں پر سب سے پہلا سوال یہ اُٹھتا ہے کہ آیا مسلمانوں کے لیے اِن مغربی اصطلاحات کا اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

دین اسلام اِس سوال پر خاموش نہیں بلکہ اسلام نے ایک ایسا طریقہ کار وضع کیا ہے جس کے ذریعے ایسے الفاظ کا استعمال جنہیں مغربی افکار سے اخذ کیا گیا ہواُن کے بارے میں اسلامی احکامات واضح ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے مطابق وہ اجنبی الفاظ ، جن کے اصطلاحی معانی ہوں اور یہ اصطلاح مسلمانوں کی اصطلاح کے مخالف ہو، تو اس کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً سوشل جسٹس کی اصطلاح، کیونکہ اس سے مراد ایک مخصوص نظام ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غریبوں کو تعلیمی اور طبی سہولیات کی ضمانت دی جائے اور ملازموں اور مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔ یہ اصطلاح مسلمانوں کی اصطلاح کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک عدل ظلم کی ضد ہے اور تعلیمی وطبی سہولیات کی ضمانت تمام انسانوں کے لیے ہے، خواہ وہ غریب ہوں یا امیر۔ اسی طرح محتاج اور ضعیف افراد کے حقوق کی ضمانت ان سب کے لیے ہے، جو اسلامی ریاست کے زیر سایہ رہتے ہوں، خواہ وہ ملازم ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ وہ مزدور ہوں یا کسان، یا کچھ اور۔ اس کے برعکس اگر وہ لفظ ایسی اصطلاح کے طور پر ہو، جس کا معنی اور مفہوم مسلمانوں کے ہاں موجود ہو، تو اس کا استعمال جائز ہے، مثلاً لفظ ''ضـــريبة'' (ٹیکس)۔ کیونکہ اس سے مراد وہ مال ہے، جو ریاست کا انتظام چلانے کے لیے لوگوں سے لیا جاتا ہے اور ریاست کا انتظام چلانے کے لیے لوگوں سے مال لینے کا طریقہ مسلمانوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے لفظ 'ٹیکس' کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح لفظ 'قانون' اور 'دستور' کا معنی ہے کہ ریاست کچھ مخصوص متعین احکامات اختیار کرتی ہے، لوگوں کے لیے اس کا اعلان کرتی، اس پر عمل کرنے کو لازمی قرار دیتی ہے اور انہی احکامات کے مطابق لوگوں پر حکومت کرتی ہے۔ یہ مفہوم اسلام میں موجود ہے۔ چنانچہ لفظ 'قانون' اور 'دستور' کے استعمال میں کوئی اَمر مانع نہیں ہے۔ چنانچہ دستور اور قانون سے مراد وہ احکامات ہیں، جنہیں خلیفہ احکامِ شرعیہ میں سے تبنی کرے۔ البتہ اسلامی دستور وقوانین اور غیر اسلامی دستور و قوانین کے درمیان بڑا فرق ہے۔ کیونکہ غیر اسلامی قوانین اور دستور کا مصدر معاشرتی روایات اور عدالتوں کے فیصلے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان کی تاسیس وہ تاسیسی کمیٹی کرتی ہے جو دستور وضع کرتی ہے اور عوام کی منتخب کردہ اسمبلی قوانین وضع کرتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عوام ہی طاقت وقوت کا سرچشمہ ہیں اور اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہے۔ جبکہ اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کا مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے، اور ان کی تاسیس مجتہدین کے اجتہادات سے ہوتی ہے۔ اجتہاد وہ عمل ہے کہ جو قرآن وسنت سے احکامات کو اخذ کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ ان اجتہادات میں سے خلیفہ متعین احکامات کو بطورِ قانون اختیار کرتا ہے اور ان کے ذریعے حکومت کرتا ہے، اور لوگوں کے لیے ان احکامات کی پابندی کرنا لازم ہوتا ہے۔

چنانچہ مندرجہ بالا اصول اِس بات کو واضح کردیتا ہے کہ جس ایک اسلامی ریاست کے لیے دستور وضع کیا جائے تو اُس کی بنیاد کیا ہونی چاہیے اور اُس میں موجود قوانین کہاں سے پھوٹنے چاہیے۔

اب ہم پاکستان کے آئین کی طرف آتے ہیں۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ''پاکستان کے آئین'' کی بنیاد اسلام ہے یا پھر کچھ اور؟ یعنی پاکستان کا آئین جب وضع کیا گیا تو اسے وضع کرنے والوں نے کن چیزوں کو مصدر کے طور پر لیا۔ یہ بحث اِس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ پاکستان کو اسلام کے نام پر نہ صرف حاصل کیا گیا بلکہ اُس وقت برصغیر کے عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ بات موجود تھی کہ پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان ہی دارالاسلام ہے

چنانچہ لاکھوں مسلمانوں نے ہجرت کے اسلامی مفہوم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ سوچ کر ہندوستان کو چھوڑ دیا کہ وہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔

آیئے اب پاکستان کی آئینی تاریخ کی طرف جاتے ہیں۔ 1947 میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ پاکستان کا قیام اگرچہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش کے پس منظر میں ہے تاہم تحریکِ پاکستان کو چلانے والے مسلم لیگی نواب، وڈیرے، خان اور صاحبزادے انگریزی نظام کے سدھائے ہوئے لوگ تھے اور اسی نظام کے ساتھ وابستگی میں اپنی خیر وعافیت سمجھتے تھے۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس سے چمٹے رہنے کے لیے انگریزوں کی قدم بوسی اور اُن کے نظام کو گلے سے لگائے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کے قیام کے موقع پر ملک کے انتظام کو سنبھالنے کے لیے جو آئین منتخب کیا گیا اُس کی بنیاد نہ تو قرآن وسنت تھی اور نہ ہی اسلامی فقہ کی کتابیں بلکہ انگریز ہی طرف سے دیئے ہوئے نظام کو من وعن قبول کرلیا گیا۔ ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب ''پاکستان- تاریخ وسیاست'' کے اندر لکھتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت ہمارے پاس کوئی آئین موجود نہ تھا چنانچہ آزادی ہند کے ایکٹ مجریہ 1947ء کے تحت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ 1935ء کو بعض ترامیم کے بعد نوزائیدہ مملکت کے لیے آئین کے طور پر اختیار کرلیا گیا''

اِس ایکٹ کو اختیار کرنا اِس بات کو واضح کرتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان پر حکمرانی کرنے والے لوگوں کے ذہنوں میں آئین سازی کے حوالے سے جو تصور موجود تھا وہ خالصتاً انگریز سے مستعار لیا گیا تھا۔ یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کی بات فقط نعروں کی حد تک تھی جبکہ ریاست کے معاملات چلانے کے لیے جو تصورات اُنہوں نے سیکھے تھے وہ خالصتاً انگریزوں کے ہی تھے۔ تاہم علماء میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جنہوں نے آئین کو اسلامی قوانین کے مطابق تبدیل کرنے کا مطالبہ جاری رکھا۔ جیسا کہ فروری 1948 میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی نے لاء کالج لاہور میں خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ قانون ساز اسمبلی بلا تامل اعلان کرے کہ:

1: ریاست پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک اللہ سبحانہ تعالیٰ ہیں اور حکومت پاکستان محض حاکم اعلیٰ کے ارادے کو نافذ کرنے میں ایجنٹ کا کردار ادا کرے گی۔

2: پاکستان میں تمام قانون سازی کا ناقابل تبدیل بنیادی کوڈ اسلامی شریعت کو ہونا چاہیے۔

3: ایسے تمام قوانین، موجودہ یا مستقبل کے قوانین جو معنی یا الفاظ کے اعتبار سے شریعت کے مخالف ہوں، کالعدم اور آئین کی خلاف ورزی سمجھے جائیں گے۔

4: حکومت پاکستان کی تمام طاقت اسلامی شریعت سے اخذ کی جائے گی۔ وہی اس کی حدود کا تعین کرے گی اور شریعت ہی کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر استعمال کی جائے گی۔

اِسی طرح 13 جنوری 1948 کو جمعیت علمائے اسلام نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں کراچی میں ایک قرارداد منظور کی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ایک جید عالم کو شیخ الاسلام کے عہدے پر تعینات کیا جائے جسے ملک بھر کے قاضیوں پر مناسب وزارتی اور انتظامی اختیارات حاصل ہوں۔

اگرچہ اِن مطالبات میں اسلام کے نفاذ کی بات کی گئی ہے تاہم اسلام کے نظامِ حکومت کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے یہ علماء اِس بات کا ادراک نہیں کر پا رہے تھے کہ مغربی طرزِ حکومت کے ذریعے اسلام کبھی بھی جنم نہیں لے سکتا کیونکہ یہ مغربی طرزِ حکومت سیکولرازم کے عقیدے سے نکلا ہوا ہے اور یہ طرزِ حکومت سیکولرازم کے عقیدے کو ہی کو تحفظ فراہم کرتا ہے، وہ عقیدہ جو اسلامی عقیدے سے باہم متصادم ہے۔ چنانچہ اِن مطالبات کے پس منظر میں اُس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان نے 7 مارچ 1949ء کو اسمبلی کے اندر قراردادِ مقاصد پیش کی جس کے مطابق پاکستان کے آئین کی بنیاد ''جمہوریت، آزادی، مساوات، برداشت، اور سماجی انصاف'' کے ان اصولوں پر رکھی جانی تھی۔ قراردادِ مقاصد کے حوالے سے ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب ''پاکستان- تاریخ وسیاست'' میں لکھتے ہیں:

''قرارداد میں وہ بنیادی اُصول بیان کیے گئے تھے جن پر پاکستان کے آئندہ آئین کو استوار ہونا تھا۔ قرارداد میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے جمہوریت، آزادی، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا اور یہ کہ یہاں مسلمانوں کو اپنی زندگیوں کو اسلام کی تعلیمات اور ثقافتوں کے مطابق گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ قرارداد کے مطابق اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنی ثقافت کے فروغ دینے میں پوری طرح آزاد تھیں۔ علاوہ ازیں قرارداد میں بنیادی حقوق کے پورے تحفظ کی یقین دہانی کے علاوہ عدلیہ کی آزادی اور وفاقی طرز حکومت کی ضمانت بھی دی گئی تھی۔ قرارداد میں واضح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ کائنات کا مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے یہ کہ اس کی طرف سے پاکستان کے عوام کو ملنے والا اقتدار صرف ایک مقدس امانت ہے۔''

اگرچہ اِس قرارداد کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ اِس قرارداد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ قرارداد مغربی تصورات کو ہی بیان کر رہی ہے تاہم اِس کو ایسے پیش کیا گیا جیسے اب اِس کے بعد پاکستان میں اسلام کا نفاذ یقینی ہوجائے گا۔ چنانچہ اِس قرارداد کو انگریز کے دیئے ہوئے آئین میں ابتدائیہ کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا یعنی سیکولرازم کی بوتل پر نام نہاد ''اسلام'' کا لیبل لگایا گیا۔ اِس قرارداد نے علماء کو بھی ایک تسلی فراہم کردی۔ چنانچہ مولانا مودودی جو اس قرارداد سے قبل پاکستان کو اسلامی ریاست کے طور پر تسلیم کرنے سے مانع تھے اب یہ کہتے ہوئے نظام میں شامل ہوگئے کہ پاکستان کے آئین نے کلمہ پڑھ لیا ہے، اِس لیے اِس نظام میں داخل ہونا اب جائز ہے۔

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا تھا کہ دستور کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ''وہ قانون، جو ریاست اور ریاست کے نظامِ حکمرانی کی شکل وصورت متعین کرے، اور اس میں موجود ہر اتھارٹی کی حدود اور ذمہ داریوں کو واضح کرے۔'' چنانچہ کسی بھی ملک کا آئین اپنے قوانین کے ذریعے یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ اُسے کن مصادر سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ

جب ہم پاکستان کے آئین کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ آئین پاکستان کو اخذ کرنے کے مصادر قرآن وسنت یا اسلامی فقہ کی کتابیں نہیں بلکہ مغربی دساتیر (آئین) ہیں۔ اِس میں بیان کی گئی نظامِ حکمرانی کی شکل وصورت مغربی نظاموں سے اخذ کی گئی ہے، اور جہاں تک کچھ 'اسلامی شقوں' کا تعلق ہے تو اُنہیں بھی سیکولرازم کی حدودوقیود میں بیان کیا گیا ہے اور اِس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے کہ اِن 'اسلامی شقوں' کے ذریعے کہیں اسلام عملی زندگی میں ہی نہ آجائے۔

اگرچہ پاکستان کے آئین کا ہر حصہ اسلام سے متصادم اور مغربی اور سیکولرازم کے تصورات سے اخذ کیا گیا ہے تاہم طوالت سے بچنے کے لیے یہاں پر ہم پاکستان کے آئین کی چند شقوں کا جائزہ لیں گے کہ کس طرح اِن شقوں کا مصدر اسلام نہیں بلکہ مغربی سیکولر آئین ہیں۔

آئین پاکستان کی شق نمبر 1 میں درج ہے ''مملکتِ پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا جسے بعدازیں پاکستان کہا جائے گا''

یہ شق پاکستان کے حکومتی نظام کی شکل و ہیئت بیان کرتی ہے۔ ''وفاقی جمہوریہ'' کا تصور مغرب کی دین ہے۔ جس کے تحت ملک کو مختلف حصوں میں بانٹ کر اختیارات کو بھی تقسیم کر دیا جاتا ہے جس کے تحت ہر حصہ کچھ حد تک خودمختار ہوتا ہے اور مرکز اُن اختیارات میں مداخلت نہیں کرتا۔ وفاق کا تصور امریکی آئین سے مستعار لیا گیا ہے جہاں پر 51 ریاستیں ہیں جو مل کر ایک وفاقی نظام کے تحت United States of America کہلاتی ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے آئین کا آرٹیکل نمبر 4 امریکہ کے وفاقی نظام کی تفصیلات فراہم کرتا ہے جس میں تمام ریاستوں کو اندرونی خودمختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔

جبکہ اسلام میں وفاقی طرز کی کوئی گنجائش موجود نہیں، کیونکہ اسلام کا نظامِ حکومت وفاقی طرز کا نہیں کہ جس میں مختلف علاقوں کو خودمختاری حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ایک عمومی مرکزی حکومت کے ذریعے باہم متحد ہوتے ہیں۔ بلکہ اسلام وحدت کا نظام ہے جس میں مغرب میں مراکش کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو مشرق میں خراسان کی ہے۔ اور اگر صوبۂ فیوم اسلامی ریاست کا مرکز ہو تو اس کا انتظام ویسے ہی ہوگا جیسے کہ قاہرہ کا۔ تمام علاقوں کی مالیات اور ان کا بجٹ بھی ایک جیسا ہوتا ہے۔ یعنی مختلف صوبوں سے قطعِ نظر، اموال کو لوگوں پر یکساں انداز سے خرچ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک صوبے میں محصولات سے حاصل ہونے والی آمدن اس کی ضروریات سے دوگنا ہو تو اس پر خرچ کیا جانے والا فنڈ اس کی ضروریات کے مطابق ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک صوبے کی آمدن اس کی ضروریات سے کم ہے تو اس امر کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جائے گا اور مجموعی بجٹ میں سے صوبے کی ضرورت کے مطابق اس پر خرچ کیا جائے گا، خواہ وہ ضرورت کے مطابق محصولات پیدا کرے یا وہ ایسا نہ کرسکے۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام میں، حکومت میں مرکزیت ہوتی ہے چنانچہ اعلیٰ اتھارٹی مرکز کو حاصل ہوتی ہے اور مرکز کا اختیار اور اس کی حکومت ریاست کے ہر چھوٹے بڑے حصے پر محیط ہوتی ہے۔ ریاست کے کسی حصے کی خودمختاری کی اجازت نہیں تا کہ ریاست حصے بخرے ہونے سے محفوظ رہے۔ یہ اعلیٰ مرکزی اتھارٹی ہی فوج کے سالاروں، صوبوں کے والیوں اور حکام اور مالی و اقتصادی امور کے عہدیداروں کا تقرر کرتی ہے۔ یہ ہی تمام علاقوں میں قاضیوں کا تقرر کرتی ہے اور ہر اس شخص کا تقرر کرتی ہے جس کا کام حکومت کرنا ہو یا وہ کسی علاقے میں حکومتی امور کے ساتھ براہِ راست منسلک ہو۔

اِسی طرح پاکستان کے آئین کی شق نمبر 70 میں قانون سازی کا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے اِس شق میں بیان ہے کہ ''وفاقی قانون سازی کی فہرست یا مشترکہ قانون سازی کی فہرست میں کسی امر کے بارے میں کسی بل کی ابتداء کسی بھی ایوان میں ہوسکے گی اور اگر اسے وہ ایوان منظور کرے جس میں اس کی ابتداء ہوئی تھی تو اسے دوسرے ایوان میں بھیج دیا جائے گا اور اگر دوسرا ایوان بھی اسے ترمیم کے بغیر منظور کر لے تو اسے منظوری کے لیے صدر کو پیش کر دیا جائے گا۔''

اِس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون سازی کہ جس کے ذریعے نہ صرف قوانین بنائے جاتے ہیں بلکہ دستور میں ترمیم بھی صرف دوایوانی مقننہ صدر کی مدد سے بناتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دوایوانی مقننہ یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ کا قیام بھی امریکہ اور برطانوی آئین سے اخذ کیا گیا ہے۔ برطانیہ میں ہاؤس آف لارڈز اور ہاؤس آف کامنز جبکہ امریکہ میں ایوانِ نمائندگان اور سینٹ کے نام سے دوایوانی مقننہ قائم ہے۔ جن کے ذریعے قانون سازی کی جاتی ہے۔

چنانچہ قانون سازی کا یہ طریقہ کار امریکہ اور برطانیہ دونوں کے آئین میں ایسے ہی ہے جہاں کسی بھی قانون کو پاس ہونے کے لیے دونوں ایوانوں کے علاوہ صدر یا بادشاہ سے منظوری درکار ہوتی ہے اور اگر تینوں جگہوں سے قانون منظور ہوجائے تو وہ قانون بن جاتا ہے جس کی اطاعت لازمی ہوجاتی ہے چاہے وہ قانون کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس تین طرفہ تقسیم کی جڑیں بھی مغربی سیاسی تاریخ سے پیوستہ ہیں جہاں مطلق العنان بادشاہوں سے اختیارات کو عوامی نمائندوں اور بااثر لوگوں کی طرف منتقل کیا گیا تھا۔ نیز یہ بات سیکولر عقیدے کے عین مطابق ہے جس میں ہر طرح کے قانون بنانے کا اختیار انسانوں کو تفویض کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ برطانوی آئین کے مطابق برطانوی پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی بھی قانونی بات کو غیر قانونی اور غیر قانونی کو قانونی قرار دے سکتی ہے۔ مغربی مفکر پروفیسر جننگ کہتے ہیں:

''پارلیمنٹ برطانوی آئین کو نئے سرے سے وضع کرسکتی ہے اپنی مدت میں توسیع کرسکتی ہے غیر قانونی کارروائیوں کو قانونی قرار دے سکتی ہے حکومت کو مطلق العنان اختیارات تفویض کرسکتی ہے برطانوی شہنشاہیت کو ختم کرسکتی ہے۔ ملک میں کمیونزم، سوشلزم یا فاشزم کو رائج کرسکتی ہے اور یہ سب کچھ بلا کسی قانونی بندش کے انجام دے سکتی ہے''

اِسی طرح ایک فرانسیسی مصنف دےلوم کہتا ہے:

''کہ پارلیمنٹ کسی مرد کو عورت یا عورت کو مرد بنانے کے علاوہ دیگر ہر کام کرسکتی ہے لیکن قانونی طور

پر پارلیمنٹ کو یہ کام کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے اگر قانون کی رو سے وہ کسی مرد کو عورت قرار دے دے تو وہ شخص فطری طور پر مرد ہونے کے باوجود قانون کی نظر میں عورت ہی شمار ہوگا۔''

جبکہ اسلام میں قانون سازی کا اختیار انسان کے پاس نہیں بلکہ خلیفہ صرف اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے اور اگر وہ کسی ایسے قانون پر عمل درآمد کا حکم دے جو گناہ پر مبنی ہو تو اُس کی اطاعت لازم نہیں رہتی جیسا کہ حدیث ہے:

نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سنے اور اطاعت کرے خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا نہیں، سوائے جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے۔ پس اسے اگر معصیت کا کام کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ نہ تو سنے اور نہ ہی اطاعت کرے'' (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا)

اسی طرح پاکستان کے آئین کی شق نمبر 45 میں بیان کیا گیا ہے کہ: ''صدر کو کسی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا کو معاف کرنے، ملتوی کرنے اور کچھ عرصے کے لیے روکنے اور اس میں تخفیف کرنے، اِسے معطل یا تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا''

اِس شق کا ماخذ برطانوی آئین ہے جس کے تحت بادشاہ کو یہ خصوصی اختیار حاصل ہوتا ہے کہ عدالتوں کی طرف دی جانے والی سزا کو کم یا معاف کر سکتا ہے۔ جبکہ اِسلام نے خلیفہ یا کسی حکومتی اہلکار کو ایسا کوئی اختیار نہیں دیا۔

اِسی طرح پاکستان کے آئین کی شق نمبر 175 پاکستان میں عدالتی نظام کو بیان کرتی ہے۔ اِس شق میں بیان ہے کہ ''پاکستان کی ایک عدالت عظمیٰ اور ہر صوبے کے لیے ایک عدالت عالیہ اور ایسی دوسری عدالتیں ہونگی جو قانون کے ذریعے قائم کی جائیں گی۔''

اِس شق کا ماخذ مغربی عدالتی نظام ہے جیسا کہ برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک میں رائج کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ آئینِ پاکستان کے ذریعے پاکستان میں جو شرعی عدالت قائم کی گئی ہے وہ بھی برطانوی آئین سے مشابہ ہے، جس میں مذہبی عدالتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ پاکستانی مصنف محمد امین گوندل اپنی کتاب ''تقابلی سیاسی نظام'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''برطانیہ میں جو مذہبی عدالتیں قائم ہیں ان کا دائرہ کار وسیع نہیں ہے بلکہ محدود پیمانے پر کام کرتی ہیں۔ جس میں صرف مذہبی معاملات کے مقدمات ہوتے ہیں۔''

جبکہ انتظامی اور شرعی عدالتوں کا علیحدہ علیحدہ قائم ہونا مغرب کے سیکولرازم کے عقیدے کے ہی مطابق ہے جس کے ذریعے دین کو ریاستی معاملات سے الگ کر دیا گیا ہے۔

اسلام میں ایک منفرد عدالتی نظام ہے جس میں مغرب کی طرز پر لوئر اور ہائر عدالتوں کا تصور موجود نہیں بلکہ ہر عدالت ہی سپریم عدالت ہوتی ہے اِسی طرح اسلام میں عدالتِ اپیل یا عدالتِ التوا کا کوئی تصور نہیں۔ لہٰذا ہر عدالت کے معاملے کا فیصلہ کرنے کا طریقہ کار یکساں ہوتا ہے۔ جب قاضی ایک فیصلہ صادر کر دیتا ہے تو وہ نافذ العمل ہو جاتا ہے اور کسی اور قاضی کا فیصلہ کسی بھی صورت میں اسے تبدیل نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ فیصلہ کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ یا اجماع صحابہ کی قطعی نص سے متناقض نہ ہو۔

اِسی طرح پاکستان کے آئین کی شق نمبر (2)248 میں بیان ہے کہ ''صدر یا کسی گورنر کے خلاف اس کے عہدے کی میعاد کے دوران کسی عدالت میں کوئی فوجداری مقدمات نہ قائم کئے جائیں گے اور نہ جاری رکھے جائیں گے''

اِس شق کا ماخذ برطانوی آئین ہے جس میں بادشاہ کو بھی اِسی طرح تحفظ حاصل ہے جس کی اصل یہ ہے کہ برطانوی آئین کے مطابق ''بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا'' چنانچہ ہمارے یہ 'جمہوری حکمران' اصل میں بادشاہ ہیں جن کو خصوصی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ خلفاء راشدین تک اپنے آپ کو عدالت کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔

اِسی طرح آئین پاکستان کی وہ شق جو سب سے زیادہ اِس طور پر بیان کی جاتی ہے کہ اِس شق کی وجہ سے پاکستان کا آئین اسلامی ہے وہ بھی اِس انداز میں رکھی گئی ہے کہ کہیں اُس کے ذریعے اسلام نہ آجائے۔

یہ شق آئین کی (1)227 نمبر شق ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جس کا اِس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔''

چنانچہ اِس کے ساتھ ہی ایک مشاورتی ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام کا ذکر ہے جو ایک طرف تو فقط مشاورتی ادارہ ہے جو مشورہ دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا اور دوسری طرف وہ اُس وقت کسی قانون پر غور کرنے کا مجاز ہے جب صدر، گورنر یا اسمبلی کے ایک بٹا پانچ اراکین اُسے مشورہ دینے کے لیے کہیں۔ چنانچہ جب سترویں ترمیم کے تحت پرویز مشرف نے دینی جماعتوں سمیت دوسرے سیاسی پارٹیوں کی مدد سے تمام تر غیر اسلامی قوانین کو آئینی تحفظ دے دیا تو یہ شق وہاں پر کچھ نہ کر سکی۔ یہ ترمیم جسے اب آئین کی شق نمبر 270 الف الف (1) یوں بیان کرتی ہے

''چودہ اکتوبر 1999 کے ہنگامی حالت کے اعلان، تمام فرامین صدر، آرڈیننس، چیف ایگزیکٹو کے فرمان بشمول فرمانِ عارضی دستور نمبر 1 مجریہ 1999، فرمان (جج صاحبان) عہدہ کا حلف، 2000 (نمبر 1 مجریہ 2000)، فرمانِ چیف ایگزیکٹو نمبر 12 مجریہ 2002، فرمان قانونی ڈھانچہ 2002 (چیف ایگزیکٹو کا فرمان نمبر 24 مجریہ 2002) فرمان قانونی ڈھانچہ (ترمیمی)، 2002 (چیف ایگزیکٹو کا فرمان نمبر 32 مجریہ 2002) کے ذریعے دستور میں وضع کردہ ترامیم اور بارہ اکتوبر 1999 اور اس تاریخ کے درمیان (دونوں دن شامل کر کے) جس پر یہ آرٹیکل نافذ العمل ہو ہیئت مجاز کی طرف سے جائز طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ بذریعہ ہذا توثیق کی جاتی ہے، انہیں اختیار کیا جاتا ہے اور قرار دیا جاتا ہے کہ وہ جائز طور پر وضع کئے گئے ہیں اور آئین میں شامل کسی امر کے باوجود

ان پر کسی بھی عدالت یا فورم میں کسی بھی بناء پر چاہے جو کچھ ہو، اعتراض نہیں کیا جائیگا۔"

چنانچہ اِس کے تحت پرویز مشرف کا امریکہ کو اڈے دینا، نیٹو کو سپلائی لائن فراہم کرنا، مسلمان مردوں اور عورتوں کو امریکہ کے حوالے کرنا، آغا خان ایجوکیشن بورڈ قائم کرنا وغیرہ وغیرہ جو کہ صریح قرآن و سنت کے مخالف ہیں نا صرف آئین کا حصہ بن گئے بلکہ کسی عدالت میں بھی اُن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کے علاوہ صدر کو معافی کا اختیار اور اُنہیں کسی مقدمے میں استثنیٰ حاصل ہونا قرآن وسنت کے قطعی خلاف ہے اور اِس پر شق نمبر (1)227 بالکل بے بس ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ آئین میں شق نمبر (1) 227 کی موجودگی میں کوئی غیر اسلامی قانون نہیں بن سکتا، سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنانے کے علاوہ کچھ نہیں اور اِس شق سے کبھی اسلام نہیں آسکتا۔

مندرجہ بالا تمام تر بحث سے یہ بات نہایت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ پاکستان کے آئین کی بنیادیں قرآن، سنت یا پھر اسلامی فقہ کی کتابیں نہیں بلکہ مغربی آئین ہیں لہٰذا پاکستان کا آئین اپنی شکل وہیت اور قوانین کے لحاظ ایک سیکولر آئین ہے جو پاکستان میں کفر کے قوانین کو تحفظ دیتا ہے اور کفر کے نفاذ کو یقینی بناتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ ہر حکومت کی شکل ہئیت اور قوانین جنہیں ایک آئین کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے جب وہ سیکولرازم سے نکلے ہوں تو وہ سیکولرازم کا ہی تحفظ کریں گے اور اُس کے ذریعے اسلام کبھی بھی جنم نہیں لے گا۔

اسلام کا نظامِ حکومت دنیا میں موجود باقی تمام نظام ہائے حکومت سے یکسر مختلف ہے، وہ اساس جس پر اس نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس نظام کے افکار وتصورات اور پیمانے، وہ قوانین جن کے ذریعے یہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے، وہ دستور اور قوانین جنہیں یہ نافذ کرتا ہے، وہ شکل جو یہ اسلامی ریاست کو عطا کرتا ہے؛ غرض یہ نظام پوری دنیا میں موجود حکمرانی کی مختلف شکلوں سے یکسر مختلف ہے۔ اور اسی کو خلافت کہتے ہیں جس کا نفاذ ہی پاکستان میں اسلام کے نفاذ کو یقینی بنائے گا۔

⊗⊗⊗

حکمرانوں کا بڑھتا ہوا جبر و استبداد، قربِ خلافت کی نوید ہے!

نوید بٹ

12 جولائی 2011 کو پاکستان میں حزب التحریر کے ڈپٹی ترجمان عمران یوسفزئی کو اس وقت اغوا کر لیا گیا جب وہ ایک ٹی وی رپورٹر سے پہلے سے طے شدہ ملاقات کے لئے جا رہے تھے۔ جس وقت ان کا پیچھا کیا جا رہا تھا، انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو فون کیا اور اپنے آس پاس کے علاقے اور خفیہ ایجنسیوں کی سرگرمی سے آگاہ کیا۔ اگلے ہی دن حیان خان، جو کہ کمپیوٹر پروگرامر ہیں، کو اس وقت اغوا کیا گیا جب وہ اپنی گاڑی میں آفس جا رہے تھے۔ انھوں نے گاڑی کا شیشہ توڑ کر حیان کو اغوا کر لیا۔ 21 جولائی 2011 کو حکومت کی خفیہ ایجنسی نے حزب کے تیسرے ممبر کو اپنا شکار بنایا۔ اس دفعہ ٹیلی کام انجینئر اسامہ حنیف کو نشانہ بنایا گیا۔ اسامہ کو اس وقت اغوا کیا گیا جب وہ اپنے آفس جا رہے تھے۔

اغوا کا یہ سلسلہ ملتان شہر سے شروع ہوا جو کہ جنوبی پنجاب میں واقع ہے، جب حکومتی ایجنسیوں نے ۳ جولائی کو رکن حزب التحریر ٹیلی کام انجینئر آفتاب کو ان کے گھر سے اغوا کیا گیا۔ وہ انہیں نامعلوم مقام پر لے گئے، تشدد کیا اور پھر عدلیہ اور میڈیا کے دباؤ پر پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے آفتاب کو رہا کرنے کی بجائے اس کے خلاف دہشت گردی کے ایکٹ کے تحت "نفرت پھیلانے والا مواد" رکھنے کے الزام میں مقدمہ بنا دیا۔ اس سے قبل جون کے مہینے میں بھی دو گرفتاریاں اور دو اغوا کے واقعات ہوئے تھے۔ اغوا کیے جانے والے ایک رکن حزب التحریر سے کوئی سوال کرنے سے قبل اسے مسلسل تین روز تک بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ حکومتی سختی میں مسلسل اضافہ دراصل ان کی گھبراہٹ اور کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ حکومت نے پچھلے دس سالوں سے بظاہر حزب کو نظر انداز کرنے، اس کی سرگرمیوں کو محدود کرنے اور میڈیا میں بلیک آؤٹ کرنے کی پالیسی کو اختیار کر رکھا تھا۔ لیکن پچھلے دو سالوں سے حزب کی سرگرمیوں اور عوام کے مثبت ردِعمل نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ہمارا کھل کر سامنا کرے اور ہمارے اقدامات کا توڑ کرنے کی کوشش کرے۔ پریس میں موجود حکومتی ایجنٹ مسلسل حزب کے متعلق مضامین لکھ رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر نام نہاد دانشور خلافت اور حزب التحریر کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ میدان میں ان کی خفیہ ایجنسیاں حزب التحریر کے شباب کا پیچھا کر رہی ہیں اور انھیں اغوا کر رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ حکومت اپنی سیاسی اور فکری شکست کو محسوس کر رہی ہے۔

یہ ظلم وستم ہمیں محمد ﷺ اور ان کی جماعت کی یاد دلاتا ہے جن کا امتحان لیا گیا، ان پر تشدد کیا گیا صرف اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ محمد ﷺ کی جدوجہد خالصتاً پرامن تھی لیکن قریش نے اس دعوت کو اپنے اقتدار اور ظلم وستم کے لیے خطرہ سمجھا۔ حضرت بلالؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کی زندگی اس بات کا مظہر ہے کہ کسی بھی تبدیلی کے لیے قربانی اور صبر و استقامت انتہائی ضروری ہے۔ پس ایسی کوئی جماعت جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ دین کے قیام کے لیے نبی ﷺ کے راستے کی پیروی کر رہی ہے وہ بھی ایسی مشکلات سے گزرے گی۔ حزب کو اپنے قیام کے وقت سے پابندیوں اور غدار حکمرانوں کا سامنا رہا ہے۔ حزب کے شباب پر تشدد کیا گیا، دہائیوں تک قید رکھا گیا اور ابلتے ہوئے پانی میں ڈال کر قتل کیا گیا۔ لیکن الحمدللہ شباب ثابت قدم رہے، سوائے اللہ کے خوف کے، کسی اور کے خوف کا شکار نہیں ہوئے اور اس بات کے لیے پرامید رہے کہ خلافت قائم ہوگی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی قربانیوں کا اجر انھیں آخرت میں دیں گے۔

پاکستانی حکومت اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ تشدد اور اغوا کی ان کی حالیہ پالیسی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ وہ اس بات کا ادراک نہیں رکھتی کہ حزب ظالم حکمرانوں کے خلاف جرأت و استقامت کی ایک طویل تاریخ رکھتی ہے۔ عرب دنیا اور وسطی ایشیاء اس کی دو مثالیں ہیں جہاں ظالم کریموف، مبارک، قذافی اور اسد نہ تو حزب التحریر کو اور نہ ہی اس کی دعوت کو روک سکے بلکہ ان کے جبر نے اس دعوت کو مزید مضبوط کیا۔ پاکستان کے شباب بھی ہمیشہ کی طرح متحرک اور مضبوط ہیں۔ ان واقعات نے کفر نظام اور حکمرانوں کے خلاف ان کے غصے اور عزم کو مزید جلا بخشی ہے؛ امت حزب کو مزید عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے؛ اہل قوت حزب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور الحمدللہ ہم خلافت کو تیزی کے ساتھ اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہے ہیں۔

⊗⊗⊗

نوید بٹ (پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان)

مغرب پاکستانی فوج میں اپنے سب سے بڑے ایجنٹ کے زوال کو محسوس کر سکتا ہے

ٹائمز میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے ریٹائرڈ جنرل طلعت مسعود نے کہا: ''یہ انتہائی حیران کن امر ہے کہ فوج کی قیادت کو اس قدر شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ واضح طور پر تاریخ کی بدترین تنقید ہے''۔ اسی طرح کی رپورٹ نیویارک ٹائمز نے ۱۶ جون کو پیش کی جس کا عنوان تھا ''پاکستان کی فوج کا سربراہ اپنی نوکری بچانے کی کوشش کر رہا ہے''۔ اسی طرح کی ایک اور رپورٹ واشنگٹن پوسٹ نے بھی شائع کی جس میں بتایا گیا کہ جنرل کیانی کی پوزیشن اپنے آفسروں میں خراب ہے۔

۲ مئی کے ایبٹ آباد آپریشن کے نتیجے میں پاکستانی فوج میں پیدا ہونے والا طوفان اب تک تھما نہیں ہے۔ پاکستانی میڈیا نے اگر اسے پاکستانی فوج کے امریکہ کے ساتھ ملوث ہونے کے طور پر تنقید کا نشانہ نہیں بنایا تو کم از کم اس واقعہ کو پاکستان آرمی کی ناکامی کے طور پر شدید تنقید کا نشانہ ضرور بنایا۔ سیاست دان پہلے ہی اپنی ساکھ کھو چکے ہیں اور اب ان کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں رہا۔ جس نظام کو یہ سیاست دان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں عوام نے اس سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار کر دیا ہے۔ امت اس دن کے لئے بے قرار ہے جس دن اس نظام کو اسلام سے بدل دیا جائے گا۔

یہ ہے اس وقت پاکستان کی ہمہ وقت تبدیل ہوتی صورتحال کی کہانی، جو کہ اس وقت آہستہ آہستہ مکمل اور بنیادی تبدیلی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ تمام نشانیاں اس مکمل اور بنیادی تبدیلی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، یعنی خلافت کی طرف۔ پاکستانی اس صورتحال سے گزر چکے ہیں جس سے عرب مسلمان اس وقت گزر رہے ہیں؛ یعنی غاصبوں اور ایجنٹ حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا۔

پاکستان کے مسلمان سب سے پہلے ساٹھ کی دہائی میں ایوب خان کی آمریت کے خلاف سڑکوں پر آئے تھے جب وہ اس کے دس سالہ دور حکومت سے تنگ آ چکے تھے۔ ستر کی دہائی کے آخر میں وہ دوبارہ سڑکوں پر نظر آئے تا کہ سب سے زیادہ مقبول جمہوری اور سیکولر حکمران، ذولفقار علی بھٹو، کو اقتدار سے علیحدہ کیا جا سکے اور اس نظام کو نافذ کیا جائے جو محمد ﷺ لائے تھے (نظام مصطفیٰ تحریک)۔ نظامِ مصطفیٰ تحریک کی قیادت نے امت کے ساتھ بدترین غداری کی کیونکہ ان کا مقصد صرف اور صرف بھٹو کو ہٹانا تھا نہ کہ شریعت کا نفاذ۔ اسلام کا نعرہ صرف لوگوں کو متحرک کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ پھر جنرل ضیاء الحق آیا جس نے اپنے دس سالہ دور اقتدار کو طول دینے کے لیے پھر اسلام کا نام استعمال کیا۔ ان تمام فوجی بغاوتوں اور جمہوری انقلابات کے بعد امت نے اس بات کا ادراک کر لیا کہ مسئلہ نظام کا ہے اس بات کا نہیں کہ حکمران منتخب شدہ ہیں یا غیر منتخب شدہ۔ انھوں نے یہ دیکھ لیا کہ حکمران کوئی بھی ہو پاکستان کا معاشی نظام، سیاسی نظام، عدالتی نظام اور خارجہ پالیسی وغیرہ ہمیشہ سرمایہ داریت کے اصولوں اور استعماری طاقتوں کی خواہشات پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی پاکستان میں کوئی عوامی تحریک برپا ہوتی نظر نہیں آتی۔ لوگوں کو اسلام اور تبدیلی کے نام پر اتنی دفعہ دھوکہ دیا جا چکا ہے کہ لوگوں کا موجودہ سیاسی قیادت سے اعتماد مکمل طور پر اٹھ چکا ہے۔ پاکستان کے مسلمان کبھی بھی جھوٹے اور جذباتی نعروں پر متحرک نہیں ہوں گے۔ وہ اسی وقت متحرک ہوں گے جب ان میں یہ یقین پختہ ہو جائے کہ ان کا حرکت میں آنا موجودہ صورتحال کی مکمل تبدیلی اور اسلام کے کے مکمل نفاذ کا باعث بنے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تبدیلی کے لیے پاکستانی معاشرے میں لاوا نہیں پک رہا۔ مشرف کی اسلام کے خلاف جنگ نے پاکستانی معاشرے کو بہت زیادہ تبدیل کر دیا ہے۔ ہم سڑکوں پر ہر گزرتے دن کے ساتھ عورتوں کے حجاب میں اضافہ دیکھتے رہے ہیں۔ ہر محلے میں اسلام کو سمجھنے کے لیے درسوں کی محافل ہو رہی ہیں۔ لوگ سیاسی مباحثوں کو بہت شوق سے دیکھتے ہیں اور خبروں کی چینلز کی مقبولیت تمام دوسرے چینلز سے کہیں زیادہ ہے۔ اس تمام صورتحال سے فوج سمیت معاشرے کے دیگر بااثر طبقات بھی متاثر ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کا میڈیا مسلسل افواج پاکستان میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت، جسے وہ (Radicalization) کہتے ہیں، کی بات کرتے ہیں۔ پاکستان کی فوج کسی ایلیٹ طبقے سے نہیں بلکہ یہ امت میں سے ہے۔ اسی لیے اس بات میں کوئی حیرت نہیں کہ کیانی کو فوجی افسروں کے ذریعے امریکہ کی پالیسی نافذ کروانے میں اس قدر دقت پیش آ رہی ہے کیونکہ ان مسلم افسروں کے بھی وہی جذبات ہیں جو کہ باقی امت کے ہیں۔

استعمار اور اس کے میڈیا کی، فوج کے اعلیٰ افسران میں موجود اپنے ایجنٹوں سے متعلق پریشانی بے بنیاد نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اب حقیقی تبدیلی صرف ناگزیر ہی نہیں بلکہ بہت قریب بھی ہے۔ یہ حقیقت نوشتہ دیوار ہے کہ خلافت کے قیام کے بعد دنیا کے سیاسی منظر نامے پر اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی، جس کا کوئی طاقت مقابلہ نہ کر سکے گی۔

⊗⊗⊗

اس رمضان خلافت کے قیام کے لیے ’’نصرۃ‘‘ کو تلاش کرو

اے مسلمانانِ پاکستان!

ہم حزب التحریر کے شباب آپ کو رمضان کی مبارک باد دیتے ہیں، جو تمام مہینوں میں سب سے زیادہ بابرکت مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو غزوۂ بدر میں قریش کے خلاف فتح سے لے کر تاتاریوں کی شکست تک اور پھر صلیبیوں سے بیت المقدس کی آزادی تک، اسلامی ریاست کے تمام ادوار میں، مسلمانوں کی فتح کا مہینہ رہا ہے۔

ہم آپ سے مسلمان بھائی کی حیثیت سے مخاطب ہیں، کہ آپ ایسی سرزمین پر بستے ہیں جو وسائل کے لحاظ سے دنیا کی بڑی طاقتوں کے ہم پلہ ہے۔ جس پر بسنے والے مسلمان دنیا کی چھٹی سب سے بڑی آبادی ہیں، جس کا بڑا حصہ باصلاحیت نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اور جس کا رقبہ برطانیہ اور فرانس کے مجموعی رقبے کے قریب ہے اور یہ ملک دنیا کے انتہائی سٹریٹیجک مقام پر واقع ہے۔ اور جس میں توانائی اور معدنیات کے وسیع ذخائر موجود ہیں اور جو زرعی صلاحیت کے لحاظ سے دنیا کے صفِ اول کے ممالک میں سے ہے۔ اور جس کی فوج دنیا کی ساتویں سب سے بڑی فوج ہے، جس کے پاس جنگیں لڑنے کا تجربہ اور ایٹمی ہتھیار موجود ہیں اور جس فوج کا شہادت و فتح کا جذبہ دشمن فوج کے جنگی جذبے سے برتر واعلیٰ ہے۔

اور ہم ایسے وقت میں آپ کو رمضان کی مبارک باد دے رہے ہیں جب امت مسلمہ کے دشمن پہلے سے کہیں زیادہ خوفزدہ ہیں کہ کہیں یہ امت اسلامی ریاستِ خلافت کے قیام کے ذریعے اپنی حقیقی طاقت کا ادراک نہ کرلے۔ جو اللہ کے اذن سے جلد قائم ہونے والی ہے۔

اے مسلمانانِ پاکستان! کئی سالوں سے امریکہ اس بات پر فکرمند ہے کہ خلافت کسی بھی مہینے پاکستان سے جنم لے سکتی ہے۔ مارچ 2009ء میں امریکی سینٹ کام (Centcom) کمانڈرز کے مشیر ڈیوڈ کل کلن David Kilcullen نے اپنے بیان میں کہا: ’’پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی آبادی 173 ملین ہے، اور اس کے پاس 100 نیوکلیئر ہتھیار ہیں، اور اس کی فوج امریکہ کی فوج سے بڑی ہے... ہم ایسے نقطے پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم ایک سے چھ ماہ میں دیکھ رہے ہیں کہ پاکستانی ریاست ناکام ہو جائے گی . . . انتہاء پسند اقتدار میں آجائیں گے... اور یہ ایسی صورتِ حال ہے کہ آج کی دہشت گردی کے خلاف جنگ اس خطرے کے سامنے کچھ بھی نہیں‘‘۔ اور نومبر 2009 میں آرٹیکل: ’’ہتھیاروں کی حفاظت- کیا غیر مستحکم پاکستان میں ایٹمی ہتھیار محفوظ رکھے جا سکتے ہیں؟‘‘ میں بیان کیا گیا: ’’بنیادی خطرہ بغاوت کا ہے- کہ پاکستانی فوج کے اندر موجود انتہاء پسند تختہ الٹ دیں... اوباما انتظامیہ کے ایک سینئر عہدیدار نے حزب التحریر کا تذکرہ کیا... جس کا ہدف خلافت کا قیام ہے: یہ لوگ پاکستان کی فوج میں جڑیں بنا چکے ہیں اور فوج میں ان کے گروپ (cells) موجود ہیں۔‘‘

اور جہاں تک ہندو ریاست کا تعلق ہے، تو اسی مضمون میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی 'را' کے سینئر عہدیدار نے 16 نومبر 2009ء کو نیویورکر میگزین میں کہا: ’’ہمیں پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے متعلق ڈر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ کہیں مولوی ملک پر قبضہ نہ کرلیں۔ ہمیں پاکستان کی فوج میں موجود اُن اعلیٰ افسران سے خطرہ ہے جو خلافت پسند ہیں... کچھ لوگ جن کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ اسلامی فوج کی قیادت کریں‘‘۔

بے شک آپ کے دشمن کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ پاکستان میں خلافت قائم ہو اور پاکستان پورے عالمِ اسلام کو دنیا کی سب سے بڑی ریاست کی شکل میں وحدت بخشنے کے لیے نقطۂ آغاز بن جائے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

’’کافر اہلِ کتاب اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیرو بھلائی نازل ہو۔ جبکہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اپنی رحمت مخصوص کر لیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے‘‘ (البقرہ: 105)۔

اے مسلمانانِ پاکستان! یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ آپ کے دشمن خلافت کے عنقریب قائم ہونے پر خوفزدہ ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ریمنڈ ڈیوس کے واقعے، ایبٹ آباد آپریشن، پی این ایس مہران پر حملے، امریکی نگرانی میں مارکیٹوں اور مساجد میں بم دھماکوں اور اس کے علاوہ امریکہ کے اشاروں پر اٹھائے جانے والے بے شمار اقدامات کے نتیجے میں پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت میں موجود غدار پہلے سے کہیں زیادہ بے نقاب ہو چکے ہیں۔

یہ غدار امریکہ کے خلاف آپ لوگوں کے غیض و غضب کو محسوس کرتے ہوئے اپنے تخت و تاج کو برقرار رکھنے کے لیے امریکہ سے دشمنی کا ڈرامہ رچا رہے ہیں اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ وہ امریکہ کے ساتھ ڈبل گیم کر رہے ہیں۔ تاہم اس تأثر کا مقصد آپ کو دھوکہ دینا اور آپ کے غصے کو کم کرنا ہے، اور امریکہ کے مفادات کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات پر پردہ ڈالنا ہے۔ چنانچہ وہ شمالی وزیرستان کے حوالے سے امریکی مطالبات کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف انہوں نے شمالی وزیرستان میں آپریشن کے پیش خیمے کے طور پر ملحقہ کرم ایجنسی میں آپریشن شروع کر دیا ہے۔ یہ غدار ظاہراً میڈیا میں یہ بیان دیتے ہیں کہ انہوں نے امریکی جاسوسوں کے لیے ویزے ختم کر دیے ہیں لیکن دوسری طرف انہوں نے خفیہ طور پر پاکستان میں ’’رجسٹرڈ‘‘ امریکی جاسوسوں کی مختصر فوج کی موجودگی کو برقرار رکھنے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ غدار کہتے ہیں کہ یہ امریکی

جنگ ہماری جنگ ہے اور اسے ہم اپنے وسائل کے ساتھ کسی بیرونی مدد کے بغیر لڑ رہے ہیں، جیسا کہ ISPR کے ترجمان نے 11 جولائی 2011 کو اپنے بیان میں کہا۔ مگر 12 جولائی کو پاکستان کے وزیر دفاع نے خبردار کیا کہ اگر امریکیوں نے امداد بند کر دی تو پاکستان قبائلی علاقوں سے فوج واپس بلا لے گا؛ جس نے اس بات کو واضح کر دیا کہ یہ امریکہ کی جنگ ہے جس میں ہماری فوج کو کرائے کی فوج کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

ان کا یہ جھوٹ اور فریب ملک کے طول وعرض میں پھیلی امریکی انٹیلی جنس اور فوج کی موجودگی اور قبائلی علاقوں میں امریکہ کی صلیبی جنگ پر پردہ ڈالنے کے لیے ہے، کہ جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان بے گھر ہو چکے ہیں اور کھلے آسمان تلے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور ہزاروں پاکستانی فوجی اور سویلین امریکی مفادات کا ایندھن بن چکے ہیں۔ ان غدارول کو نہ تو آپ کی پرواہ ہے اور نہ ہی یہ آپ کے ساتھ مخلص ہیں۔ آپ کے موجودہ قائدین بالکل ویسے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا:((اعاذك الله من امارة السفهاء قال و ما امارة السفهاء قال امراء يكونون بعدى لا يقتدون بهديي و لا يستنون بسنتي فمن صدقهم بكذبهم و اعانهم على ظلمهم فاو لئك ليسوا مني و لست منهم و لا يردوا على حوضي)) ''اللہ تمہیں بے وقوف قیادت سے بچائے۔ صحابہؓ نے سوال کیا: بے وقوف قیادت کونسی ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حکمران جو میرے بعد آئیں گے، وہ میری لائی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ میرے طریقے پر عمل کریں گے ۔ پس جس نے بھی ان حکمرانوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کی وہ مجھ میں سے نہیں اور میں ان میں سے نہیں۔ اور انہیں قیامت کے دن میرے حوضِ (کوثر) پر نہیں آنے دیا جائے گا''(مسند احمد بن حنبل)۔

اے مسلمانانِ پاکستان! مسلم دنیا میں اٹھنے والی لہر کے بعد مغرب بالخصوص صلیبیوں کا سرغنہ امریکہ، خلافت کے دوبارہ نمودار ہونے سے خوفزدہ ہے۔ مغرب پاکستان کی فوجی اور سیاسی قیادت میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے خلافت کے قیام کی طرف پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن وہ لڑکھڑا رہا ہے، اس کے منصوبے ناکام ہو رہے ہیں، اس کی راہیں مسدود ہو رہی ہیں اور آپشنز ختم ہو رہی ہیں۔

تاہم وہ امت جو صراطِ مستقیم پر ہے اور جس کے پاس اللہ کی واضح ہدایت موجود ہے، اس کے سامنے اسلام کو بطورِ حکومت واپس لانے کا واضح راستہ موجود ہے۔ اسلام خونی انقلاب کے ذریعے نہیں آئے گا اور نہ ہی جمہوریت یا آمریت کے ذریعے اسلام کی حکمرانی قائم ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے لیے درجنوں قبائل سے نصرۃ (عسکری مدد) طلب کی۔ آپ ﷺ نے نصرۃ کے حصول کے لیے تکلیفیں برداشت کیں اور قربانیاں دیں، آپ ﷺ پر سنگ باری کی گئی یہاں تک کہ خون رسنے سے آپ ﷺ کے جوتے خون سے تر ہو گئے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نصرۃ کے حصول کی کوشش کرتے رہے اور اللہ سے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ اوس اور خزرج کے اہلِ قوت خود آپ ﷺ کے پاس آ گئے۔ یوں انصارِ مدینہ نے آپ ﷺ کو اسلام کے نفاذ کے لیے نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کی اور یوں یثرب مدینہ منورہ بن گیا۔

اس سلسلے میں ماہِ رمضان کے بابرکت مہینے میں جو پہلا اور واحد قدم آپ سے درکار ہے وہ یہ ہے کہ آپ خلافت کے قیام کے سلسلے میں پاکستان کی مسلح افواج کے ہر اس فوجی آفیسر تک پہنچیں جسے آپ جانتے ہیں۔ آپ خلافت کے لیے نصرۃ کے حصول کو ملک گیر ایجنڈا بنا دیں۔ کاروبار کی کوئی جگہ، عوامی مقامات اور کوئی گھر نصرۃ کی گفتگو سے خالی نہ رہے۔ نصرۃ کی آواز مساجد کے منبروں سے اٹھنے لگے اور مسلمان نصرۃ کے متعلق دعا کو اپنی دعاؤں کا حصہ بنا لیں۔ یہاں تک کہ جب پاکستان میں نصرۃ کے ذریعے خلافت قائم ہو تو لوگ اس کا اسی طرح استقبال کریں جیسا کہ مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے موقع پر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ جب لوگ اہلِ قوت کے ساتھ مدینہ کے داخلی راستوں پر جنگی لباس پہنے کھڑے تھے تا کہ منافقین کو رخنہ ڈالنے سے روکا جائے۔

اے پاکستان کی مسلح افواج میں موجود مخلص افسران!

امت تیار ہے اور یہ اب آپ پر ہے، جو امت میں قابلیت رکھتے ہیں، کہ آپ ان منافق ظالموں کو ان کی گردن سے پکڑ لیں اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کر دیں۔ اور ایسے مخلص اور بہادر شخص کا بدلہ دنیا کے محدود پیمانوں کے مطابق نہیں ہو گا بلکہ اُس کے اِس نیک عمل کا بدلہ آخرت کے دن خوشیوں سے معمور لازوال زندگی کی شکل میں ہو گا جس کے سامنے دنیا کی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور یہ وہ عظیم بدلہ ہے جو ماضی میں آپ کے مسلح بھائیوں کو حاصل ہوا یعنی وہ انصارؓ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نصرۃ دی تھی اور اسی اجر کے حصول کے لیے آج آپ کو آگے بڑھنا ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ آپ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کی خاطر غور وفکر اور پلاننگ کے ساتھ مخلصانہ قدم اٹھائیں اور اتھارٹی کو لے کر اسے مخلص اور باخبر حزب کو منتقل کریں، تا کہ حزب اُس خلافت کو قائم کرے جو اسلام کے ذریعے حکمرانی کرے گی، مسلم علاقوں کو کفار کے قبضے سے نجات دلائے گی، مسلمانوں کے علاقوں کو وحدت بخشے گی اور اسلام کو بطورِ رحمت تمام انسانیت تک پہنچائے گی۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَ يُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَ الْإِنجِيلِ وَ الْقُرْاٰنِ ط وَ مَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهٖ ط وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور قتل کرتے ہیں اور انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ پس جو سودا اللہ سے تم نے کیا اس پر خوش ہو جاؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے''(التوبۃ : 111)

29 جولائی 2011ء حزب التحریر
28 شعبان 1432ھ ولایہ پاکستان

⊗⊗⊗

اس رمضان، ہمارے ایمان کا تقاضا عمل ہے

﴿یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسولﷺ (کی پکار) پر لبیک کہو جب کہ وہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے''۔

(الانفال: 24)

اے اللہ! ہم تیری اس پکار پر لبیک کہتے ہیں! کئی جھوٹی قومی ریاستوں پر محیط امت گزشتہ سال سے اٹھ کھڑی ہوئی ہے، وہ قومی ریاستیں جنہیں مغرب نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے گھڑا تھا۔ امت اپنے جابر کٹھ پتلی حکمرانوں کے خلاف متحرک ہوئی ہے۔ مسلمان کفر کی حکمرانی کے خاتمے اور اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ان کا خون بے دریغ بہایا جا رہا ہے۔ انہیں مصائب، تشدد اور جبر کا سامنا محض اس لیے ہے کیونکہ وہ اللہ کی پکار پر لبیک کہہ رہے ہیں۔

اللہ کی پکار کا جواب دینے میں امت کی خواتین مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔ تیونس میں ہونے والی ریلیاں ہوں یا مصر کے مظاہرے، شام میں عورتوں اور بچوں کے جلوس پر فائرنگ ہو یا فلسطین کی پاک بیبیوں پر ظلم و جبر۔ وسطِ ایشیا کی نیک مسلمان خواتین پر تشدد ہو یا پھر عراق کی وہ عورتیں جن کے بچے اس لیے مر رہے ہیں کیونکہ خوراک کی کمی کی بنا پر ان بچوں کو ماں کا دودھ بھی میسر نہیں۔ اور پھر افغانستان اور قبائلی علاقوں کی وہ عورتیں بھی ہیں جن کے خاندانوں پر امریکی صلیبی جنگ کے تحت بمباری کی جا رہی ہے۔

ان خواتین کا ایمان انہیں ان مصائب و آلام کا اس وقت سامنا کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے جب ان کے گھر تباہ کئے جاتے ہیں، انکے خاندانوں کو مارا پیٹا اور قتل کیا جاتا ہے۔ یہ ان کا ایمان ہی ہے جو ان کو دین کے ساتھ جڑے رہنے کا صبر و استقلال عطا کرتا ہے۔ یہ ان کا ایمان ہی ہے جس نے ان کو تمام مسلم دنیا میں خلافت کی آواز بلند کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

اے پاکستان کی مسلمان بہنو!

آپ اللہ کی اس پکار کا کیا جواب دیں گی؟ رمضان کا بابرکت مہینہ ایک بار پھر آن پہنچا ہے۔ اس مہینے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیطان کو باندھ دیتے ہیں اور ہمارے نیک اعمال کا اجر کئی گنا بڑھا دیتے ہیں۔ اس ماہ جب ہم قرآن پاک پڑھیں تو یہ نہ بھولیں کہ قرآن کا مقصد محض تلاوت نہیں بلکہ اس کو نافذ کرنا بھی ہے۔ فرائض کے نفاذ کو ترک کر دینے سے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہمیں دین کے مکمل نفاذ کی ضرورت ہے، جس کے لیے اسلامی ریاست یعنی خلافت کا قیام ناگزیر ہے۔ اور خلافت کا مقصد مسلمانوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کے مطابق حکومت کرنا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو پوری دنیا تک پھیلانا ہے۔

خلافت ایک ایسا فرض ہے جس کا قیام معیشت، معاشرت، حکومت، خارجہ پالیسی اور تعلیم کے میدانوں میں لاتعداد فرائض کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ خلافت کے بغیر ہم کفر کے قوانین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں جو ہمارے لیے حرام ہے۔

اس رمضان ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی پیروی کریں اور اپنی اس موجودہ حالت کو، جس کے تحت آج ہم کفر کے غلبے اور جبر تلے زندگی گزار رہے ہیں، ایسی حالت سے بدلنے کے لئے عمل کریں جہاں ہم اسلام کے بابرکت نظام تلے زندگی گزار رہے ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:-

﴿إِنَّ اللَّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اس کو نہ بدلیں جو کچھ ان کے نفوس میں ہے۔'' (الرعد: 11)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سے تقاضا کر رہے ہیں کہ ہم اپنے کرپٹ معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے عمل کریں۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم ایمان کا مطلب مایوس ہو کر بیٹھ رہنا اور خود پر ترس کھانا سمجھ لیں اور حالات کو جوں کا توں چھوڑ دیں یا کوئی عمل کئے بغیر محض دعا کرتے رہیں۔ ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ ہم اپنی عقل استعمال کر کے یہ فیصلہ کر لیں کہ چونکہ عمل بہت مشکل ہے اس لیے ہم کچھ نہیں کریں گے۔ منکر کو دور کرنے اور اسلامی ریاست کو دوبارہ قائم کرنے کے فرض کو پورا کرنے کے بجائے محض ضرورتمندوں کو کھانا کھلانے، غریبوں کی مدد کرنے، لکھنے پڑھنے یا دوستوں اور رشتہ داروں کو افطار پر بلا لینے سے یہ اہم فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

اے پاکستان کی مسلمان بہنو!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ پر کچھ اعمال فرض کئے ہیں جنہیں آپ کسی حال میں بھی چھوڑ نہیں سکتیں؛ مثلاً نماز، رمضان کے روزے، اپنے شوہر اور بچوں کی دیکھ بھال، باطل کی مذمت، کفر نافذ کرنے والے حکمران کا محاسبہ اور ریاستِ خلافت کے دوبارہ قیام

کے ذریعے دین کے دوبارہ نفاذ کے لیے جدوجہد۔ خلافت ان تمام مسائل کا درست حل ہے جن کا آج ہمیں سامنا ہے، خواہ وہ لوڈشیڈنگ کا مسئلہ ہو یا بڑھتی ہوئی قیمتوں کا۔ یہاں تک کہ رویئتِ ہلال کے مسئلے پر امت کی تقسیم کا بھی یہی حل ہے۔ جب تک ہم ان مسائل کے حل کے لیے غلط اور غیر متعلقہ اعمال کی طرف رجوع کرتے رہیں گے ہم ناکام، مظلوم و مغلوب اور ذلت اور رُسوائی کا شکار رہیں گے۔

اے پاکستان کی مسلمان بہنو!

یہ امت بہترین امت ہے اور یہی امت حق کی علمبردار ہے۔ یہ امت ایک ایسے عادلانہ نظام کے تحت زندگی گزارتی رہی ہے جس میں نہ صرف اس کے مسلمان شہری خوش وخرم تھے بلکہ اہلِ کتاب بھی اس حد تک مطمئن تھے کہ شام کے عیسائی شہریوں نے اپنے ہم مذہب صلیبیوں کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ لڑی!

اب ایک بار پھر دنیا سے فساد کے خاتمے کے لیے اسلام کو کارزار حیات میں واپس لانا ہوگا۔ خلافت کے دوبارہ قیام کے بغیر یہ کسی صورت ممکن نہیں؛ کیونکہ یہ صرف خلافت ہی ہے جو اسلام کا نور بھٹکے ہوئے لوگوں تک پہنچا سکتی ہے۔ عملی میدان میں اسلام کی واپسی اب ہوا چاہتی ہے۔ کیونکہ اب امت کے لیے سوائے اسلام کے، کوئی دوسری فکر یا نظریہ اہمیت نہیں رکھتا۔ نیز یہ کہ مسلم علاقوں میں حکومتوں کی کمزوری اور ان کی غداری بھی ہر شخص محسوس کر رہا ہے۔

اے پاکستان کی مسلمان بہنو!

اس رمضان اللہ سبحانہ وتعالٰی کی پکار پر لبیک کہیے۔ آپ کے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ آپ اپنے رب کی اطاعت میں عمل کریں۔ یہ عمل آج اور ابھی سے ہونا چاہئے۔ اپنے رشتہ داروں، سہیلیوں اور ہمسائیوں تک اسلام کے نفاذ کی دعوت پہنچائیں۔ مسلح افواج میں موجود اپنے شوہروں، بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں تک یہ دعوت پہنچائیں کہ وہ خلافت کے قیام کے لئے حزب التحریر کو نصرت فراہم کریں۔ اب ان مخلص افسروں کے لیے وقت آن پہنچا ہے کہ وہ موجودہ سیاسی اور فوجی قیادت کو اکھاڑ کر اتھارٹی حزب التحریر کے سپرد کر دیں تا کہ وہ خلافت قائم کرے اور اسلام کو انقلابی اور مکمل طور پر نافذ کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا:-

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

''آپ ﷺ رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں آپؐ کو حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپؐ کر دیں اُس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں، بلکہ اس فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں'' (النساء:65)

خواتین ممبران حزب التحریر

ولایہ پاکستان

12 شعبان 1432ھ

13 جولائی 2011

⊗⊗⊗

امریکی سروے: پاک فوج کی داخلی حمایت کم ہوگئی

ایک امریکی گروپ کی جانب سے کئے گئے سروے کے مطابق پاک فوج کی دہشتگرد تنظیموں کے خلاف مہم کی حمایت میں موجودہ سالوں میں کمی آئی ہے جس سے پاکستانیوں کی طرف سے امریکہ کی شدید مخالفت ثابت ہوتی ہے۔PEW ریسرچ سینٹر کی دوسروے کے مطابق ،جس میں 3221 لوگوں سے سوال پوچھا گیا، 37 فیصد لوگ دہشتگردی کے مقابلے میں فوج کو استعمال کرنے کے حق میں تھے۔ یہ تعداد دو سال قبل کی تعداد سے 16 فیصد کم تھی، PEW کے مطابق سروے نے یہ بھی ثابت کیا کہ عموماً پاکستانی (63 فیصد) دو مئی کو ہونے والے امریکی چھاپے کے مخالف ہیں، جس میں اسامہ بن لادن کو مار دیا گیا۔ جبکہ 55 فیصد نے اسے ''بُری چیز'' قرار دیا ہے۔PEW کے مطابق صرف 12 فیصد پاکستانی امریکہ کے بارے میں مثبت رائے رکھتے ہیں جبکہ صرف 8 فیصد اوباما سے بین الاقوامی امور میں خیر کی توقع رکھتے ہیں۔

امریکی فیڈرل ریزرو کو خدشہ ہے کہ یورپی قرضوں کا بحران پھیل کر امریکی مالیاتی نظام تک پہنچ جائے گا

فرض کریں کہ یونان یا کوئی دوسرا مالی اعتبار سے کمزور یورپی ملک اپنے بانڈز پر دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس کا اثر امریکی بینکی نظام پر پڑے گا؟ فیڈرل ریزرو کے سربراہ بن ایس بیرنانکے (Ben S.Bernanke) سے یہ سوال بدھ کو ہونے والی نیوز کانفرنس میں پوچھا گیا۔ ان کا جواب وہی تھا جو وال سٹریٹ میں بہت سوں نے پہلے دیا: امریکی بینکوں کا یونان اور دوسری یورپ کی پردیسی ریاستوں میں زیادہ براہ راست مالی تعلق نہیں۔ پھر بھی فیڈرل ریزرو کو اس بات کی فکر ہے کہ یورپی قرضوں کے بحران کا امریکہ پر بل واسطہ اثر کافی سنگین ہو سکتا ہے، جیسا کہ Bernanke نے مانا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ امریکی مالیاتی منڈی کے باہمی فنڈز (Mutual Funds) جو کہ بہت قلیل مدت کے بینکی اور دوسرے اداروں کے قرضے کی شکل میں ہیں، وہ یورپی سرمایہ کاری کے لیے میں تشویش کا باعث ہیں۔

⊗⊗⊗

اے دنیا کے آزاد لوگو! دیکھو ازبکستان کا حکمران کیسے ظلم ڈھا رہا ہے

ہم ازبکستان کے حکمران کے ظلم پر سب سے پہلے دنیا کے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہیں کیونکہ یہ ظلم لوگوں پر محض اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کے علمبردار ہیں، اس کے بعد ہم انسانی حقوق کی تمام تنظیموں اور پھر دنیا کے آزاد لوگوں سے مخاطب ہیں۔ ہم ازبکستان کے حکمران کی طرف سے پچھلے ایک ماہ کے عرصے کے دوران ڈھائے جانے والے ظلم کی چند ایک مثالیں پیش کر رہے ہیں، جبکہ اس سے قبل ازبک حکومت بربریت کے کئی عمل سرانجام دے چکی ہے، جنہیں ہم ماضی میں بیان کرتے رہے ہیں:

1: مارگلان شہر میں حزب التحریر سے تعلق رکھنے والے ایک شخص 'اولماسا بہادر' کو صوبہ بخارا کے ایک قید خانے 'گراول بازار جیل' میں قید کیا گیا۔ انچارج پولیس افسران کی طرف سے اِس شخص پر اس قدر وحشیانہ تشدد کیا گیا کہ وہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا، اس کے باوجود اُسے ہسپتال لے جانے کی بجائے ایک اور جیل میں منتقل کر دیا گیا...

2: صوبہ اندیجان کا ایک نوجوان 'روز بایوف حکیم جان' 1999ء سے 'جاسلیک جیل' میں بند تھا۔ اُسے اِس سال مارچ کے مہینے میں رہائی ملنی تھی کیونکہ وہ اپنی سزا پوری کر چکا تھا، تاہم جیل انتظامیہ کی طرف سے اُس کی قید میں مزید پانچ سال کا اضافہ کر دیا گیا، جس کی وجہ اس امر کے سوا کچھ نہیں کہ انتظامیہ اُسے قید میں ہی رکھنا چاہتی ہے۔ اُسے زرفشان ٹاؤن کی جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

3: صوبہ تاشقند کے ضلع چناز کے ایک نوجوان 'مرزا یوف عبدالعزیز' کو بیس سال قید کی سزا سنائی گئی اور اُسے صوبہ قاشقاندریہ کے شہر کاسان کی جیل میں کوٹھڑی نمبر '64/51' میں بند کر دیا گیا۔ 7 جون کو جیل کی موجودہ انتظامیہ اس نوجوان کی لاش کو اُس کے خاندان والوں کے پاس لے کر آئی اور اُنہیں حکم دیا کہ وہ اس کی میت لوگوں کو دکھائے بغیر جلد سے جلد دفنا دیں۔ میت کی غسل و تکفین کے دوران اُس کے گھر والوں کو میت پر تشدد کے کئی نشانات نظر آئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُس کے سر کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی، اُس کی آنکھیں اپنی جگہ سے باہر نکلی ہوئی تھیں، اُس کی گردن اُس کے سر کے پچھلے حصے تک سلی ہوئی تھی اور اُس کی چھاتی کو نچلے حصے سے لے کر ٹھوڑی تک سِیا گیا تھا۔ اِس تشدد کا ذمہ دار اِس جیل کا سربراہ 'کرنل رحمانوف ار کین مصطفیٰ یوونیش' ہے۔

وہ دن دور نہیں جب وسط ایشیا کے لوگ بھی اپنے ظالم حکمرانوں کے خلاف نکل کھڑے ہونگے خاص طور پر ازبکستان کے ظالم حکمران کے خلاف

4: ازبکستان کی ریاست نے نہ صرف جیلوں میں بند قیدیوں پر اپنے دباؤ کو شدید کر دیا ہے بلکہ جیل سے باہر ان کے رشتے داروں پر بھی دباؤ ڈال رہی ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ اُن رشتے داروں پر بھی دباؤ ڈال رہی ہے جنہیں وہ گرفتار کرنا چاہتی ہے لیکن وہ اُنہیں تلاش نہیں کر پا رہی یا پھر وہ اپنے گھروں سے روپوش ہو چکے ہیں، جن میں کچھ بیرونِ ملک بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور کچھ اپنے ہی ملک میں بے گھر ہو چکے ہیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں اُن کے رشتے داروں کے تعاقب میں رہتی ہیں اور اُنہیں تفتیش کے لیے تھانوں میں بلا کر ایک طرف تو اُنہیں خوفزدہ کر رہی ہیں اور دوسری طرف اُنہیں ورغلا رہی ہیں کہ وہ حکومت کے لیے جاسوس کے طور پر کام کریں۔

اِن انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کچھ عہدیدار اِس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ یہ سب کچھ ریاست کی اعلیٰ قیادت یعنی صدر کریموف کے براہِ راست حکم پر کر رہے ہیں۔

کریموف کے ظلم کی یہ چند ایک مثالیں ہیں جو وہ بالخصوص حزب التحریر کے شباب کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ کریموف حکومت ہر اُس شخص کو ظلم و جبر کا نشانہ بناتی ہے جو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے، خواہ اس کا حزب التحریر سے کوئی تعلق نہ بھی ہو۔ ایسا اِس لیے ہے کہ کریموف کو خوف ہے کہ اس کے ظلم اور کفر کے باعث حزب التحریر ملک کے اندر امتِ مسلمہ کے جذبات اور افکار کو اُبھار کر اسے اقتدار سے محروم کر سکتی ہے۔ لیکن کریموف کا یہ تمام تر ظلم اِس کے خاتمے کو تیز تر ہی کرے گا، جیسا کہ آج ہم عرب دنیا کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جہاں لوگ ظالموں کی طرف سے ظلم کی انتہا پر اِنہی ظالموں کے خلاف آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب وسط ایشیا کے لوگ بھی اپنے ظالم حکمرانوں کے خلاف نکل کھڑے ہونگے خاص طور پر ازبکستان کے ظالم حکمران کے خلاف۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾

''اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ سخت تکلیف دہ ہے''

(ہود 102)

23 رجب 1432ھ — حزب التحریر

25 جون 2011ء — ازبکستان

⊗⊗⊗

عثمان بخاش (مدیر مرکزی میڈیا آفس حزب التحریر)

شام کا جابر حکمران احکامات جاری کر کے مغرب کو مطمئن کر رہا ہے جبکہ اسے مسلمانوں کے بہتے خون کی قطعاً پروا نہیں جو اس کے غنڈوں کے ہاتھوں بہہ رہا ہے

شام کے جابر حکمران بشار نے جو حکم نامہ نمبر 61/2011 جاری کیا ہے اس کا مقصد صرف امریکہ اور یورپ کو مطمئن کرنا ہے کہ اصلاحات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور اس کا اقتدار پر قبضہ مستحکم ہے۔ اس نامکمل حکم نامہ کا جاری ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ انتظامیہ اپنے آخری دموں پر ہے اور محض تنکوں کا سہارا لے رہی ہے۔ اس صورتحال کی وجہ عوامی مظاہروں میں زبردست اضافہ ہے جو بشار کے اقتدار اور اس کی جماعت کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان مظاہروں میں اضافہ تب ہوا جب بشار نے فوج اور سیکورٹی سروسز کو عوام سے جنگ کے لیے متحرک کیا جنھوں نے مظاہرین کو قتل، معصوم لوگوں کو خوفزدہ اور ہزاروں لوگوں کو گرفتار کیا۔

وہ ایک ہاتھ سے حکم نامہ جاری کرتا ہے اور اللہ اس کے دوسرے ہاتھ کو کاٹ ڈالے جس سے اس نے پورے شام میں گرفتاریاں، قتل اور پاک مسلمان خون بہایا ہے۔ اس نے دھوکہ دیا جب اس نے ایک ہاتھ سے حکم نامہ جاری کیا جبکہ اس حکم نامہ کو جاری کرنے کے دوران ہی اس کے ٹینک حمص، رستان اور طالبیسا میں بمباری کر رہے تھے۔

لوگوں کے خلاف جھوٹ اور دھوکے کا ایک حصہ سیاسی قیدیوں کو عام معافی کا اعلان ہے۔ اگرچہ اس عام معافی کی اب تک کسی کو سمجھ نہیں آئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس نے معافی اپنے سیکورٹی افواج کے لیے جاری کی ہے جو کہ اسکے "بھوت" کے نام سے جانے جاتے ہیں تا کہ وہ کسی قانونی احتساب کا شکار نہ ہوں۔ تو وہ ایسا حکم نامہ کیسے جاری کر سکتا ہے جبکہ وہ اب بھی حزب التحریر اور دوسری اسلامی تحریکوں کے اراکین کے خلاف سخت ترین مجرمانہ سزائیں جاری کرتا ہے۔ واضح بات یہ ہے کہ وہ فوج اور سیکورٹی اداروں میں موجود قاتلوں اور لٹیروں کو تحفظ دینا چاہتا ہے۔ یہ لٹیروں کا ایک ٹولہ ہے جس نے جھوٹ اور اداکاری کو اپنے پیشے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ ہنگامی حالت کے خاتمے کے اعلان کا نتیجہ قتل، ظلم اور لوگوں پر تشدد میں اضافے کی صورت میں نکلا ہے۔ تو پھر ہم اس حکم نامہ سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

بشار اور اس کی انتظامیہ بستر مرگ پر ہے اور اس کی روح جسم سے نکل رہی ہے جو کہ تقریباً نرخرے تک آن پہنچی ہے۔ اس نے خونی طریقہ کار چھوڑ کر چالاکی، جھوٹ اور دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے تا کہ اپنے بستر مرگ پر پڑے اقتدار کو بڑھا سکے۔

اے شام کے لوگو! بشار اور اس کی انتظامیہ لڑکھڑا رہی ہے۔ اپنی سرگرمیوں اور ارادہ کو مستحکم کرو۔ اس کی تقریروں اور حکم ناموں پر توجہ مت دو۔ خون کا ہر وہ قطرہ جو یہ قاتل اور اس کے ہرکارے بہا رہے ہیں، انشاء اللہ اس کی کالعدم اور گرتی ہوئی انتظامیہ کے تابوت میں کیل ثابت ہوگا۔

ہمارا مقصد صرف بشار اور اس کی جماعت کو اقتدار سے ہٹانا نہیں۔ مسلمانوں کا اصل مسئلہ، جو اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہیں، یہ ہے کہ نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ریاست خلافت کے قیام کے ذریعے اسلامی طرز زندگی کا دوبارہ احیاء کیا جائے۔ وہ خلافت جس کے ذریعے دین اور انصاف پوری دنیا پر قائم ہوگا۔ وہ خلافت جو بشار، اس کی انتظامیہ اور تمام جابروں سے انتقام لے گی۔

اے شام کے لوگو! مذاکرات کے نام پر اس انتظامیہ کے دھوکے میں نہ آنا۔ یہ چاہتی ہے کہ اس کے ذریعے اس کا اقتدار قائم رہے اور اس بابرکت مزاحمت کا رخ بدل جائے۔ ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ جو کہ القدیر اور السمیع ہے، شام کی سرزمین کو خلافت کے قیام کے لیے ہموار کر دے تا کہ یہ دنیا کو بدل دینے کے لیے نقطۂ آغاز بن سکے۔

آپ کا سڑکوں پر آنا اور آپ کا مستحکم ارادہ اس بات کا مظہر ہے کہ آپ نے بشار الاسد کے حکم نامہ کو مسترد کر دیا ہے اور بشار الاسد کو واضح جواب دے دیا ہے کہ تمہارا دھوکہ ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکا۔

ہمارے شام کے لوگو! اصل نجات صرف اسلام کے ذریعے ہی ہے۔ فقط اسلام... اور اسلام کے سوا کچھ نہیں....اور آپ نے اس مبارک مزاحمت کا آغاز الفاتحہ سے کیا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ قیامت کے دن کا مالک۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔

جیسے ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں ایسے ہی ہم اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی کی مدد چاہتے ہیں۔ ہم نہ ہی امریکہ سے مدد چاہتے ہیں اور نہ ہی یورپ اور انسانی حقوق کے لیے قائم تنظیموں کی مدد چاہتے ہیں۔ ہم اس غلطی کا اعادہ نہیں کریں گے جو ہمارے بھائیوں نے لیبیا میں کی۔ ہم اس وقت تک پر امن جدوجہد جاری رکھیں گے جب تک اللہ ہمیں افواج میں موجود اہلِ طاقت لوگوں کی نصرت عطا نہ کر دے جو دین اور امت کے حوالے سے اپنے فرض کو ادا کریں۔ آپ کے نعرے بہت خوبصورت ہیں جب آپ کہتے ہیں: اے شام مت ڈر... قذافی سے پہلے اسد!

ہماری شام کے مسلمان علماء، با اثر لوگوں، تاجروں اور قبائلی رہنماؤں سے یہی مطالبہ ہے: اپنے لوگوں کو گرنے مت دینا! اللہ آپ سے آپ کی امانت کے متعلق پوچھے گا۔ مظلوموں کے لیے آپ کی مدد درحقیقت آپ کی اپنے لیے بھی ہے۔ اللہ سب سے عظیم ہے اور تمام عزت اللہ، اسکے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ "اور عزت (غلبہ) اللہ، اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے"

⊗⊗⊗

”خلافت - دنیا کی قیادت کرنے والی ریاست کا قیام قریب ہے“

حزب التحریر ولایہ پاکستان کے زیر اہتمام اِس سال رمضان کے دوران پاکستان بھر میں اجتماعات کا اہتمام کیا گیا۔ اِن اجتماعات میں دو اہم موضوعات پر بات کی گئی۔ اوّل: ”خلافت ہی وہ ریاست ہے جو دنیا کی قیادت کرسکتی ہے“ اور دوم: ”خلافت کا وقت آن پہنچا ہے“۔ مندرجہ ذیل اعلامیہ اِن اجتماعات میں تقسیم کیا گیا:

1: موجودہ حکمران مسلمانوں سے دستبردار ہو چکے ہیں: اپنے بے پناہ وسائل اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر اپنے عظیم تر ایمان کے باوجود، امت مسلمہ کو اپنی سرزمینوں پر استعماری منصوبوں کا سامنا ہے اور وہ معاشی تنگدستی، جانوں کے ضیاع، اپنے دین پر حملے اور اپنی سرزمینوں پر قبضوں کی صورت میں شدید تباہی و بربادی اور تکلیف کا سامنا کر رہی ہے۔ فوجی اور سیاسی قیادت میں موجود غداروں نے اپنے حقیر ذاتی مفاد کے حصول کے لیے، آمریت اور جمہوریت کے نفاذ کے ذریعے امتِ مسلمہ کو اللہ کی طرف سے عطا کی گئی رحمتوں کو زحمتوں میں بدل دیا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ0جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾

”کیا تم نے اِن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔ وہ دوزخ جس میں یہ لوگ داخل ہونگے اور وہ برا ٹھکانہ ہے“ (ابراہیم: 29-28)

2: ریاستِ خلافت تمام بنی نوع انسان کے لیے دنیا کی قیادت کرنے والی ریاست ہوگی: ماضی میں خلافت صدیوں تک دنیا کی قیادت کرنے والی واحد ریاست رہی ہے اور کوئی اور ملک اُس کا ہم پلہ نہ تھا۔ اِس ریاست نے مسلمانوں کے بے پناہ وسائل کو ایک واحد ریاستِ خلافت کی شکل میں مجتمع کر رکھا تھا، وہ ریاست جو تین براعظموں تک پھیلی ہوئی تھی۔




اسلام آباد: اسلام آباد میں رمضان اجتماعات کے مختلف مناظر




کراچی اور پشاور میں رمضان اجتماعات سے حزب کے اراکین لوگوں سے مخاطب ہیں

اُس ریاستِ خلافت نے دنیا کی سیاست کو انصاف اورتقویٰ کی بنیاد پر ایک نیا رُخ دیا اور یہ ریاست دنیا کی قوموں کے لیے قابلِ رشک تھی۔ مسلمانوں کا یہی انصاف دنیا میں اسلام کے لیے رستے کھولتا گیا اور لوگ گروہ در گروہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اوراگرچہ تاتاریوں اورصلیبیوں کی مضبوط فوجوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی سرزمینیں مقبوضہ بھی بنیں، تاہم مسلمانوں نے اُن کے ظلم کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور آخر کار اُن کے قبضوں کو ختم کر کے دم لیا۔ بالکل اِسی طرح آنے والی ریاستِ خلافت اِس بات کو یقینی بنائے گی کہ اسلام ایک بار پھر نا صرف مسلمانوں بلکہ رنگ، نسل یا مذہب سے قطع نظر ساری دنیا کے لوگوں کے لیے رحمت بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ ''اورہم نے آپ ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (الانبیاء:107)

3: خلافت کا سورج اب طلوع ہونے کو ہے: خلافت کا قیام اب پاکستان کے مسلمانوں سمیت ساری امتِ مسلمہ کا مطالبہ بن چکا ہے۔ مسلمان کرپٹ اور تعفن زدہ جمہوریت اور ڈکٹیٹرشپ کی حقیقت کو جان چکے ہیں اور ریاستِ خلافت کے ذریعے اسلام کے نفاذ کی خواہش ان کے دلوں میں جا گزیں ہو چکی ہے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے امتِ مسلمہ کو بشارت دی ہے کہ ظلم کی حکمرانی کے بعد خلافت دوبارا قائم ہوگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پھر ظلم کی حکمرانی ہوگی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا اور جب اللہ چاہے گا اِس کا خاتمہ ہو جائے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارا خلافت قائم ہوگی۔'' (مسند احمد)

مزید برآں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مومنین سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اُنہیں حکمرانی عطا کرے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ '' اللہ تم میں سے اُن لوگوں سے وعدہ فرما چکا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، کہ انہیں ضرور زمین میں ان حکمرانوں کی بجائے حاکم بنائے گا جیسے کہ اُن لوگوں کو حاکم بنایا جو ان سے پہلے تھے'' (النور:55)

4: ظالم حکمران، خلافت کے قیام کو روکنے کی کوششوں میں ناکام ہی رہیں گے: موجودہ حکمران اور اُن کے استعماری آقا اِس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا قیام قریب ہے، اِسی لیے اُنہوں نے ایذا رسانیوں، اغواء اور تشدد کے ذریعے خلافت کی پکار کے داعیوں کے خلاف اپنی کاروائیاں تیز کردی ہیں۔ اِن کاروائیوں کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خیر کی طرف دعوت کو ہمیشہ ظالموں کے ظلم کا سامنا رہا ہے۔ بے شک تمام پیغمبروں، خاتم النبین محمد ﷺ، آپ کے صحابہؓ اور وہ لوگ جنہوں میں اچھائی اُن کی پیروی کی، سب کو ایسے ہی ظلم کا سامنا رہا ہے۔ اِسی لیے ظالموں کو جان لینا چاہیے کہ اُن کو ہمیشہ ناکامی کا ہی سامنا رہے گا جیسا کہ تمام ادوار میں قطع نظر اُن کے ماضی، حال یا مستقبل کے حربوں کے بالآخر اُنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ ''اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ کرنے والے ہیں'' (الشعراء227)

5: مسلمان مسلح افواج میں موجود مخلص افسران سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ فراہم کریں: امتِ مسلمہ پوری جانفشانی اور قربانیوں کے ساتھ، اسلام کی خاطر شام سے لے کر پاکستان تک اور پاکستان سے لے کر انڈونیشیا تک بیدار ہو چکی ہے۔ وہ اُمتِ مسلمہ جو اپنے لوگوں کی شہادتوں کو نقصان نہیں گردانتی بلکہ سمجھتی ہے کہ یہ شہید کامیابی میں سب سے آگے نکل چکے ہیں۔ جبکہ کافر دشمن دن رات سازشیں تیار کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اِن سازشوں کی تیاری میں وہ پاکستان کی غدار قیادت کے ساتھ بیٹھ کر گفت و شنید کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ وقت ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج میں موجود مخلص افسران آگے بڑھیں اور تاریخ کا رُخ ایک بار پھر اسلام کے حق میں پھیر دیں۔ مسلح افواج کے پاس یہ قابلیت موجود ہے کہ وہ گھنٹوں کے اندر اتھارٹی کو تبدیل کر سکتے ہیں اور ظالم حکمرانی کا خاتمہ کر سکتے ہیں، پس ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہوئے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے، خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ فراہم کریں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

''اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔''

(محمد:7)

⊗⊗⊗




لاہور: لاہور میں ہونے والے رمضان اجتماع میں حزب کے اراکین لوگوں کے سوالات کے جواب دے رہے ہیں

پاکستان میں امریکی موجودگی اور غدار حکمرانوں کے خلاف حزب التحریر کے مظاہرے

حزب التحریر ولایہ پاکستان کے زیرِاہتمام پاکستان کے بڑے شہروں میں پاکستان میں امریکہ کی بڑھتی ہوئی موجودگی اور غدار حکمرانوں کے خلاف کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں پابندِ سلاسل حزب کے اراکین کی رہائی کے لیے احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔

مظاہرین نے اِس بات کو واضح کیا کہ پاکستان میں تمام تر بدامنی کی وجہ امریکہ کی اِس خطے میں موجودگی ہے۔ جبکہ حکومت امریکہ کو یہاں سے نکالنے کی بجائے اُنہیں مزید سہولیات سے نواز رہی ہے۔ اور امریکہ اِن حکمرانوں کی وجہ سے قلعے نما سفارت خانے اور قونصل خانے تعمیر کرتا جا رہا ہے۔ جو کہ امریکی دہشت گردوں کی پناگاہیں بن چکے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ عجب طرفہ تماشہ ہے کہ ایک طرف پاکستان کی عدلیہ پاک فوج میں موجود غداروں کے ساتھ مل کر ریمنڈ ڈیوس کو ایک دن کے اندر اندر ملک سے بحفاظت امریکہ بھجوا دیتی ہے لیکن ہفتوں گزر جانے کے باوجود حزب کے پڑھے لکھے ممبران جن کے خلاف ایف آئی آر تک نہیں، کو بازیاب نہیں کروا سکتی۔ عوام جان چکے ہیں کہ امریکی اشارے پر قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن کرنا، ڈرون حملوں کی اجازت دینا، سی آئی اے اور بلیک واٹر کے ایجنٹوں کیلئے ویزے جاری کر کے ملک کو امریکی کالونی میں بدل دینا دراصل فوجی قیادت میں موجود غداروں کی مدد سے ہے۔ یہی وہ غدار ہیں جن کے اشاروں پر آج حزب التحریر کے ممبران کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ غدار کچھ بھی کر لیں فتح شیطان کی نہیں بلکہ اللہ کے دین اور اس کو نافذ کرنے والے مخلص مسلمانوں کی ہی ہوگی؛ چاہے ان کے کافر آقاؤں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

⊗⊗⊗





لاہور اور اسلام آباد میں حزب التحریر کے زیرِاہتمام پاکستان میں بڑھتی ہوئی امریکی موجودگی کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے جا رہے ہیں





کراچی اور پشاور میں حزب التحریر کے زیرِاہتمام پاکستان میں بڑھتی ہوئی امریکی موجودگی کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے جا رہے ہیں



اسلام آباد میں حزب التحریر کے پاکستان میں ڈپٹی ترجمان عمران یوسف زئی کے اغواء کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا جارہا ہے





لاہور اور پشاور میں حزب التحریر کے پاکستان میں ڈپٹی ترجمان عمران یوسف زئی کے اغواء کے خلاف احتجاجی مظاہروں کے مناظر



کراچی میں حزب التحریر کے ممبران کے اغواء کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا جارہا ہے

افغانستان میں امریکہ کا مستقبل

سوال: افغانستان کی جنگ کو قریباً دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور ابھی تک امریکہ اِس دلدل میں پھنسا ہوا ہے... اوباما نے بُش انتظامیہ پر حقیقی جنگ سے کوتاہی برتنے پر سخت تنقید کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ اُس کے نزدیک افغان جنگ کو ترجیح حاصل ہوگی۔ چنانچہ جب سے اوباما اقتدار میں آیا ہے تب سے افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی میں امریکہ کی اِس سٹریٹیجی میں امریکہ کے اپنے ہی اعمال میں تضاد نظر آتا ہے۔ امریکہ نے وہاں پر اپنی فوجیوں کی تعداد میں اضافہ کیا لیکن ساتھ ہی اِس کا اعلان کر دیا کہ 2011 کی گرمیوں تک اِس اضافے میں کمی شروع کر دی جائے گی، جو کہ درحقیقت مندرجہ بالا سٹریٹیجی کو نقصان کے پہنچانے کے مترادف ہے۔ جنرل پیٹریاس سمیت کئی افسران اس بات کا دعویٰ کر چکے ہیں کہ یہ سٹریٹیجی پُر اثر نہیں ہے۔ مزید برآں ایسی خبریں بھی آ چکی ہیں کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور فوج کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آیا امریکہ کا افغانستان میں کیا مفاد ہے؟ باوجود اِس کے کہ وہ اِس دلدل میں پھنس چکا ہے۔ کیا پچھلی ریپبلکن انتظامیہ اور موجودہ ڈیموکریٹک انتظامیہ کے پوائنٹ آف ویو میں کوئی حقیقی فرق موجود ہے؟ کیا اوباما واقعی اپنے اور فوجی کمانڈرز میں اختلافات کے باوجود افغانستان سے نکلنے کے منصوبے پر سنجیدہ ہے جس کا وہ اعلان کر چکا ہے۔ کیا اِس میں ہمسائیہ ممالک کا، خاص طور پر یورپ کی اِس جنگ اور امریکہ کے انخلاء کے منصوبے کے حوالے سے ''بیزاری'' کو مدنظر رکھتے ہوئے، اِن ممالک کا کوئی کردار ہے؟ اور اِن سب کے تناظر میں آنے والے دنوں میں کیا ممکن ہے؟

جواب:

1: آیئے اِس خطے سے متعلق کچھ امریکی تجزیہ نگاروں کی رائے سے آغاز کرتے ہیں، وہ خطہ جو تاریخی اعتبار سے 'یوروایشیا' کا حصہ ہے جو مشرقی ایشیا سے شروع ہو کر سنٹرل ایشیا اور اِس کے اردگرد کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے بلکہ یہاں تک کہ ایک وقت میں اِس نے یورپ کو بھی اپنے اندر سمو لیا تھا... Zbigniew Brzezinski کے الفاظ یوں ہیں: ''یوروایشیا دنیا کے سب سے زیادہ سیاسی طاقت کے حامل اور متحرک ممالک پر مشتمل ہے۔ گلوبل طاقتوں کو للکارنے والی تمام تاریخی تحریکوں نے یوروایشیا سے جنم لیا تھا۔ دنیا کی سب زیادہ آبادی کے حامل اور علاقائی طاقت ہونے کے دعوے دار ممالک چین اور انڈیا یوروایشیا میں ہی ہیں، جو کہ سیاسی یا معاشی دونوں لحاظ سے امریکی برتری کے چیلنجرز ہیں۔ امریکہ کے بعد پہلی چھ(6) بڑی معیشتوں کے حامل اور افواج پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والے ممالک یہی پر ہیں، جن میں اعلانیہ نیوکلئیر طاقتوں میں سے اور غیر اعلانیہ نیوکلئیر طاقتوں والے ممالک بھی شامل ہیں۔ یوروایشیا میں دنیا کی 75 فیصد آبادی آباد ہے اور یہی خطہ دنیا کی GNP کے 60 فیصد حصے اور اُس کے انرجی ذرائع کے 75 فیصد حصے کا حامل ہے۔ مجموعی طور پر یوروایشیا کی طاقت دنیا کے ہر خطے سے بڑھ کر ہے حتیٰ کہ امریکہ سے بھی۔ ایک ایسی طاقت جو یوروایشیا کو دنیا کے معاشی پیداوار کے لحاظ سے دو بڑے خطوں یعنی مغربی یورپ اور مشرقی ایشیا پر فیصلہ کن برتری دلا سکتی ہے، جو خود بخود مڈل ایسٹ اور افریقہ پر کنٹرول کا باعث بن جائے گی۔ تو جو کچھ یوروایشین خطے پر طاقت کی تقسیم کے سلسلے میں ہوگا وہ امریکہ کی گلوبل برتری اور تاریخی وراثتی حیثیت پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوگا۔'' (Geostrategy for A Eurasia, Foreign Affairs, September/October 1997) اِسی طرح George Friedman نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ: ''امریکہ یوروایشیا کے خطے میں کسی بھی بڑی طاقت کے اُبھرنے کو روکنے کا حتمی مقصد رکھے ہوئے ہے۔ تاہم اِس کا مطلب یوں بنتا ہے کہ اِن جارحیتوں کا مقصد کچھ حاصل کرنا نہیں بلکہ سیاسی لحاظ سے کہا جائے گا کہ ان جارحیتوں کا مقصد کسی چیز کو واقع ہونے سے روکنا ہے۔ لہٰذا امریکہ اُن خطوں کو عدم استحکام سے دوچار رکھنا چاہتا ہے جہاں سے کسی بھی دوسری طاقت کے اُبھرنے کا خطرہ ہو۔ چنانچہ امریکہ کا مقصد استحکام نہیں بلکہ عدمِ استحکام ہے اور اِسی سے امریکہ کی طرف سے اسلامی زلزلے پر ردِعمل کو سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ امریکہ کسی بڑی اور طاقت ور اسلامی ریاست کو اُبھرنے سے روکنا چاہتا تھا۔ عام رائے یہی ہے کہ امریکہ یوروایشیا کے اندر امن قائم رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اور امریکہ یہ جنگ مکمل طور پر بھی نہیں جیتنا چاہتا... چنانچہ اِن لڑائیوں کا مقصد فقط کسی بڑی طاقت کے اُبھرنے سے روکنا یا پھر اِس خطے کو عدمِ استحکام سے دوچار کرنا ہے نا کہ اپنے کسی آرڈر کا نفاذ'' (The next 100 years, a forecast for the 21st Century, 2009)

2: یوروایشیا کا وہ حصہ جو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ سنٹرل ایشیا، افغانستان، پاکستان اور مغربی ایران پر مشتمل ہے۔ اِسی لیے یہ حیرت کی بات نہیں کہ تمام امریکی حکومتیں اپنے نظریاتی رجحان (یعنی Neoconservatism or Realism) کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اِس خطے میں امریکی بالادستی کو قائم کرنے کے لیے پاکستان اور افغانستان کو استعمال کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بے شک امریکی سیاست دانوں کے اذہان میں سویت یونین کو شکست دینے کے لیے افغانستان اور پاکستان کا استعمال ابھی تک تازہ ہے۔ Brzezinski نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُسی کی دہائی میں افغانستان، یوروایشیا پر سُپر پاورز کی لڑائی کا تختہ مشق تھا، (Russia Today, September 26 2010)۔ چنانچہ 11 ستمبر 2001 کے مشکوک واقعات کے بعد امریکہ کی افغانستان پر

چڑھائی اپنے سٹریٹیجک مقاصد کے حصول کے لیے تھی، جو مندرجہ ذیل ہیں:

1: روس اور چین کی یورایشیا پر بالادستی کو روکنا

2: ریاست خلافت کو دوبارہ اُبھرنے سے روکنا

3: بحیرۂ کیسپین اور مڈل ایسٹ کے قدرتی ذخائر پر کنٹرول حاصل کرنا

4: اور اُن راستوں اور امن وعامہ کی صورتحال پر کنٹرول جو بحیرۂ کیسپین اور مڈل ایسٹ سے آتے ہیں

مندرجہ بالا مقاصد کے حوالے سے ریپبلکن اور ڈیموکریٹک یا پھر نیوکنزرویٹوز اور Realists کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ افغانستان پر چڑھائی، امریکہ کی مستقل بنیادوں پر افغانستان میں فوجی موجودگی یا پھر ہمسائیہ ممالک خصوصاً سابقہ سوویت یونین ریاستوں کو عدمِ استحکام سے دوچار کرنے کے لیے افغانستان کا استعمال۔ جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے تو وہ صرف آپریشنل پہلوؤں کے حوالے سے ہے یعنی اِن امریکی سٹریٹیجک مقاصد کو جلد سے جلد حاصل کرنے کے لیے امریکی قابلیت کو کیسے ممکن بنایا جائے۔ اِس میں سب سے اہم نقطہ امریکہ کی افواج کا سائز اور قبضے کی اشکال کا ہے۔ بُش کی حکومت کے دوران، اُس کی انتظامیہ کا مکمل طور پر رجحان عراق میں ہونے والے واقعات تھے اور جس کی وجہ سے طالبان کو دوبارہ سے اُٹھنے اور منظم ہونے کا موقع مِل گیا۔ چنانچہ اوبامہ کے اقتدار میں آنے کے بعد اُس نے افغانستان میں آپریشنل سٹریٹیجی کا دوبارہ جائزہ لینا شروع کیا تاکہ پشتون مزاحمت پر قابو پانے کے لیے کسی طریقے کار پر پہنچا جاسکے۔ چنانچہ کئی بار جائزہ لینے سے اوبامہ مندرجہ ذیل آپریشنل مقاصد تک پہنچا:

(a) افغان حکومت کی قابلیت میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ افغانستان پر حکومتی رٹ کو قائم کرسکے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ افغانستان میں افغان سیکورٹی فورسز یعنی پولیس اور فوج کو تیار کرنا، وفادار اور قابل گورنرز کی تعیناتی اور افغان حکومت میں کرپشن کو کم کرنا شامل ہے۔

(b) القاعدہ اور پشتون قوم میں سے اُن قوتوں کو ختم کرنا جو امریکی قبضے کے خلاف مزاحمت کررہے ہیں۔

(c) ماڈریٹ طالبان کی حوصلہ افزائی کرنا تاکہ طالبان شکست تسلیم کرلیں اور مرکزی حکومت کا حصہ بن جائیں۔

(d) خطے کے پس منظر میں افغانستان کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے امریکی کوششوں میں ایران، انڈیا، روس، چین اور دوسری ریاستوں کی مدد حاصل کرنا۔

3: جب ہم اِن آپریشنل مقاصد کو بش انتظامیہ کی طرف سے کئے گئے اقدامات سے موازنہ کرتے ہیں تو فرق صرف تفصیلات کی باریکیوں میں ملتا ہے۔ تاہم بش اور اوبامہ انتظامیہ میں سب سے بڑا فرق اِن آپریشنل مقاصد کی انجام دہی کے طریقہ کار میں سامنے آیا یعنی افغانستان میں امریکہ کی کتنی فوجی موجودگی ہونی چاہیے اور پاکستان کی اِس جنگ میں کس قدر شرکت ہونی چاہیے۔ بش انتظامیہ کے نزدیک افغانستان میں امریکی افواج کی تعداد کو کم رکھتے ہوئے اور پاکستان کی طرف سے قبائلی علاقوں میں تدریجاً فوجی آپریشنز کو بڑھاتے ہوئے افغانستان میں مطلوبہ آپریشنل مقاصد کو حاصل کیا جاسکتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف اوبامہ انتظامیہ کے نزدیک افغانستان میں امریکی فوجی موجودگی کو بڑھاتے ہوئے یعنی امریکی فوجیوں کی تعداد زیادہ کرکے اور قبائلی علاقوں میں جنگ کو تیز کرتے ہوئے پاکستان کے ایک متحرک کردار کے ذریعے ہی ان مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ مزید برآں اوبامہ نے امریکی عوام کے ساتھ وعدہ بھی کیا کہ 2012 تک افغانستان میں امریکہ کی فوج کے سائز کو کم کردیا جائے گا۔

چنانچہ یکم دسمبر 2009 کو اوبامہ نے اعلان کیا کہ ''آج رات میں یہ اعلان کررہا ہوں کہ تیس ہزار اضافی افواج افغانستان میں 2010 کے پہلے حصے تک یعنی ممکن حد تک تیز رفتاری سے تعینات کردی جائے گی، تاکہ وہ بغاوت کو ٹارگٹ کرسکیں اور اہم آبادی والے مراکز کو محفوظ بناسکیں... یہ اضافی امریکی اور بین الاقوامی افواج ہمیں اِس قابل بنائے گیں کہ ہم ذمہ داری کو افغان فورسز کی طرف منتقل کرسکیں اور ہمیں اِس قابل بھی بنائے گی کہ ہم جولائی 2011ء سے اپنی افواج کو افغانستان سے واپس بلاسکیں'' (Voice of America News Online)۔ یہ اضافی تیس ہزار امریکی فوجی 2010 کی گرمیوں تک افغانستان پہنچ گئے جس سے امریکی افواج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ ہوگئی۔ اِس وقت افغانستان میں بیرونی افواج کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے جس میں ایک لاکھ امریکی فوج شامل ہے۔ جبکہ فوجی ذرائع کے مطابق ستمبر 2009 تک پرائیویٹ ٹھیکے دار سیکورٹی، ٹرانسپورٹ اور لاجسٹک خدمات کی مد میں ایک لاکھ چار ہزار ایک سو لوگ اپنی خدمات الگ سے مہیا کررہے ہیں۔ (DOD: Obama's Afghan Surge Will Rely Heavily On Private Contractors, Justin Elliott December 15, 2009) اِس لیے اِس وقت امریکی کمانڈ کے تحت فورسز کی مجموعی تعداد ڈھائی لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ جبکہ پاکستان کی طرف سے قبائلی علاقوں میں افغان بارڈر پر ایک لاکھ چالیس ہزار فوجیوں کو تعینات کیا گیا ہے۔ (Kayani spells out terms for regional stability, Dawn Online, February 02, 2010) جس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس وقت مجموعی لحاظ سے تین لاکھ نوے ہزار فوجی طالبان سے جنگ کررہے ہیں۔

4: افغانستان سے انخلا کی تاریخ دینا در اصل اوبامہ انتظامیہ کے درمیان بلکہ اوبامہ اور اُس کی ملٹری کے درمیان تعلقات مضبوط بنانے کے لیے ہے۔ اصل میں کئی سینئر سیاست دانوں سمیت ملٹری اسٹیبلشمنٹ یہ رائے رکھتی ہے کہ اوبامہ کی طرف سے طے کردہ آپریشنل مقاصد ڈھائی لاکھ فوج اور جارحانہ ٹائم ٹیبل کے تعین سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ اوبامہ اور ملٹری کے درمیان کشیدگی کا سب سے ہائی پروفائل شکار امریکی جنرل میک کرسٹل تھا جسے اوبامہ کی طرف سے سبکدوش کیا گیا تھا۔ جب اُسے سبکدوش کیا جارہا تھا تو اُس وقت اوبامہ نے کہا تھا کہ ''جنرل میک کرسٹل کے انتظامیہ کے افسران سے متعلق آہانت آمیز خیالات ملٹری پر سویلین کنٹرول کے بے وقعت ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جبکہ

یہ کنٹرول ہمارے جمہوری نظام کا بنیادی حصہ ہے۔'' (Obama relieves McChrystal of command MSNBC.com Jun 23 2010) حتیٰ کہ میک کرسٹل کی سبکدوشی کے بعد بھی اوبامہ کی طرف سے دی جانے والی افغانستان سے انخلاء کی تاریخ سے متعلق پینٹا گون شکوک وشبہات کا اظہار کرتا رہا۔ ڈیفنس سیکرٹری رابرٹ گیٹس نے میک کرسٹل کی جگہ تعینات کمانڈر جنرل پیٹریاس کو اِس بات کا یقین دلایا کہ انخلاء کا منصوبہ ''مشروط'' ہے اور یہ بھی کہا کہ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس صدر اوبامہ کی مجموعی حکمت عملی سے اتفاق کرتے ہیں، اُن کے الفاظ یہ تھے کہ ''وہ (جنرل پیٹریاس) زمینی حقائق کو دیکھ کر صحیح طور پر حالات کا جائزہ لیں گے اور بعض مواقع پر وہ صدر کے لیے تجاویز بھی تیار کریں گے جو کہ ہر ملٹری کمانڈر کو کرنا چاہیے۔ صدر اُن تجاویز کا خیر مقدم کریں گے لیکن آخر میں صرف صدر اوبامہ ہی اِس بات کا فیصلہ کریں گے کہ آیا اِس حکمت عملی میں کوئی تبدیلی کرنی ہے یا نہیں'' (CBS News online June 24 2010) اگست میں ایک اور امریکی جنرل جیمز کونوے، جو کہ امریکی میرین کور کے سربراہ ہیں، نے انخلاء کی تاریخ پر ایک سوالیہ نشان اٹھایا، انہوں نے کہا کہ ''کسی نہ کسی طور، ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس وقت ایسا کرنا اپنے دشمن کو ایک نئی زندگی دینا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ دشمن اپنے آپ سے شاید یوں کہتا ہو، بلکہ درحقیقت ہم نے جاسوسی کے ذریعے مواصلاتی رابطوں پر دشمن کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے: 'ارے! ہمیں بس اب اتنی دیر تک مزاحمت کو برقرار رکھنا ہے...' '' میں پوری ایمانداری سے کہتا ہوں کہ ابھی چند سال اور لگیں گے کہ زمینی حالات اِس نہج پر پہنچیں کہ ہم صورتِ حال کو اپنے حق میں پلٹا دے سکیں۔'' (US general: Afghan deadline 'giving enemy sustenance', BBC News Online, August 24 2010)

5: تاہم باب وڈورڈ Bob Woodward کی کتاب ''Obama's Wars'' ملٹری اور اوبامہ کے درمیان اختلاف کو بے نقاب کرنے میں سب سے نمایاں ہے۔ باب وڈورڈ کی کتاب میں بیان کردہ 2009 کی افغان حکمتِ عملی کے جائزے کے لیے منعقد ہونے والی ہر میٹنگ کی رُوداد اور ہر دستاویز کی تفصیل اس بات کو عیاں کرتی ہے کہ صدر کی طرف سے اپنے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے فتح کا ذکر کرنے سے گریز کیا گیا۔ ''اِس میں ہمیں ایک مکمل منصوبے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح افغانستان کو مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل کرکے یہاں سے نکل جائیں'' یہ الفاظ اوبامہ کی طرف سے وائٹ ہاؤس کے ایڈوائزرز کو کہے گئے جب وہ کم مدتی اضافے کے طور پر تیس ہزار فوجیوں کی تعیناتی کی وجوہات بیان کر رہے تھے۔ اُس نے مزید کہا کہ ''ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اِس بنیادی نقطے پر مرکوز ہے کہ ہم اپنی فوجی موجودگی کو کم کرنے کے مقصد کو کس طرح حاصل کریں۔ یہ ہماری قومی سلامتی کے مفاد میں ہے۔ اِس معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوسکتی۔'' صدر اوبامہ نے شروع سے ہی حتمی فیصلہ صادر کردیا کہ ''عوامی سطح پر اِس معاملے میں میرے پاس فقط دو سال ہیں'' اور اپنے ایڈوائزرز کو کسی بڑے اضافے سے گریز کرنے پر زور دیا۔ صدر اوبامہ کے حوالے سے کتاب میں لکھا ہے کہ ایک میٹنگ میں اوبامہ نے التجا کرتے ہوئے کہا کہ ''میں انخلا کی حکمت عملی چاہتا ہوں''۔ پرائیویٹ میٹنگ میں اوبامہ نے نائب صدر جوزف بائیڈن سے کہا کہ وہ اجلاس کے دوران ایک بڑی فوج کی مخالفت کے حوالے سے اپنی متبادل حکمت عملی کو پیش کریں اور جبکہ آخرکار اوبامہ اِس کو مسترد کر دیا اور اُس نے انخلا کے حوالے سے ٹائم ٹیبل سیٹ کردیا یہ کہتے ہوئے کہ ''میں پوری ڈیموکریٹک پارٹی کو شکست سے دوچار نہیں کرنا چاہتا'' (Obama Wars, Bob Woodward)

6: اِن اقتباسات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اوبامہ کی توجہ بنیادی طور پر اِس نقطہ پر مرکوز ہے کہ 2012 کے عام امریکی الیکشن کے وقت سے پہلے کچھ امریکی فوجیوں کو واپس امریکہ لانا ہے۔ جبکہ دوسری طرف امریکی فوج اِس بات پر سختی سے کاربند ہے کہ ڈیڈ لائن کو بڑھایا جائے اور اوبامہ کے انخلاء کے منصوبے کی سخت مخالف ہے۔ اور پینٹا گون کے نزدیک یہ منصوبہ آپریشنل مقاصد کی کامیابی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔

اِس بات کو بھی مدِّنظر رکھنا ضروری ہے کہ اوبامہ پوری ایک لاکھ امریکی فوجیوں کے انخلا کے حق میں نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک افغانستان سٹڈی گروپ کا خیال ہے جنہوں نے حال ہی میں ایک ریسرچ پیپر شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے ''A NEW WAY FORWARD: A FIVE-POINT APPROACH'' اِس پیپر میں مصنف نے تجویز دی ہے کہ اکتوبر 2011 تک 68 ہزار فوجیوں کو واپس بلایا جائے اور پھر جولائی 2012 تک بقیہ 30 ہزار فوجیوں کی واپسی ہو، اِس اقدام سے 60 ارب ڈالر سے 80 ارب ڈالر سالانہ تک بچت ممکن ہے اور افغانستان میں مشکلات سے دوچار اور بڑی فوجی موجودگی کے حوالے سے مقامی سطح پر موجود غم وغصے میں نہایت کمی واقع ہوگی۔ اِسی طرح کچھ دوسری سٹڈیز 50 ہزار تک کمی کی حمایت کرتی نظر آتی ہیں۔ اپنے مضمون بعنوان ''How the Afghan War Can Still Be Won'' میں مصنف 'O'Hanlon' اِس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اوبامہ افغانستان میں 50 ہزار سے زائد فوجیوں کی موجودگی سے بھی دوبارہ الیکشن لڑ سکتا ہے۔ (Foreign Affairs 2010) اِن تمام کا یہ مطلب ہوا کہ امریکہ افغانستان میں اپنے سٹریٹیجک مقاصد کے حصول کے لیے آنے والے دنوں میں اچھی خاصی فوجی موجودگی قائم رکھے گا۔

7: اوپر والی بحث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اوبامہ کی طرف سے امریکی افواج کو امریکہ واپس لانے کی ضد آپریشنل مقاصد کے حصول کی امریکی قابلیت کو تباہ کردے گی۔ فقط ایک لاکھ امریکی فوجیوں، انخلا کی مختصر ڈیڈ لائن اور یورپ کی طرف سے مزید فوجی بھیجنے میں عدم دلچسپی کی وجہ سے کل بروز سوموار 19 اکتوبر 2010 کو ''the International Contact Group on Afghanistan'' کے تحت امریکہ نے روم

>>>بقیہ صفحہ نمبر 40 پر

سوڈان میں مغربی ممالک کی کشمکش

سوال:

''تحریک عدل ومساوات'' نے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کردیا جو 14/7/2011 کو دوحہ قطر میں دارفور کے حوالے سے سوڈانی حکومت اور ایک باغی گروپ جو''تحریک آزادی وعدل'' کے نام سے مشہور ہے کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ یہ معاہدہ ''دوحہ سلامتی ڈاکومنٹ برائے دارفور'' کہلایا۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جیسی تحریکوں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی ابوجا اور دوسرے علاقوں جیسے سابقہ معاہدوں کی مثل ہے، کہ یک طرفہ طور پر باقی تحریکوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی تحریک کے ساتھ معاہدہ کیا جائے اور پھر بتدریج اسی کے ساتھ معاہدات ہوتے رہیں، یا پھر اس سے مختلف ہے؟

جواب:

اس معاہدہ کو بغور دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سابقہ معاہدوں سے مختلف ہے جس کو مندرجہ ذیل نکات میں سمجھا جاسکتا ہے:

1۔ سابقہ معاہدوں کے پیچھے یورپ (فرانس اور برطانیہ) کا ہاتھ تھا، تاکہ دارفور میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کریں، اور یوں جنوبی سوڈان کے مسئلہ پر امریکی تسلط کے اوپر اپنے ردعمل کا اظہار کریں۔ جہاں امریکہ نے یورپ کو جنوبی سوڈان کے مسئلہ کے حل کے منصوبوں سے بے دخل کئے رکھا، جبکہ یہ مسئلہ 9/7/2011 کو جنوبی سوڈان کے علیحدگی پر اختتام پذیر ہوا۔ اس لئے یورپ اب اپنے معاہدات کو حتمی شکل دینے کی انتہائی کوشش کررہا ہے، جبکہ امریکہ جنوب میں الجھا ہوا ہے۔

ایسے ہی 2006 میں تحریک آزادی سوڈان کے ساتھ ابوجا معاہدہ ہوا تھا۔ اسی طرح تحریک عدل ومساوات کے ساتھ بھی فریم ورک معاہدے میں ہوا، جو 2009 میں ہوا تھا۔ لیکن امریکہ سوڈانی حکومت کے ساتھ معاہدہ کے ذریعے ان معاہدات کے اثرات کو ختم کرنے میں لگا ہوا تھا، اور یہ اس لئے کہ امریکہ دارفور کے کسی ایسے حل پر رضامند نہیں تھا جو اس کے جنوبی سوڈان کی علیحدگی سے فارغ ہونے سے پہلے ہو، تاکہ صرف یورپ کو یہ اعزاز حاصل نہ ہو جائے۔ جبکہ خصوصاً دارفور میں اہم تنظیمیں یورپ اور فرانس کے ساتھ ہیں اور برطانیہ بھی اس میں معاون ومددگار ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ تحریک عدل ومساوات جو کہ اصل تنظیم ہے، اس تنظیم کی مادی طور پر مدد فرانس کرتا ہے اور عوامی سطح پر برطانیہ کی حمایت اس کو حاصل ہے، اس لئے فرانس نے سوڈانی حکومت کے ساتھ معاہدہ کرنے کیلئے سرگرم کوشش کی، جس میں مذکورہ تحریک کو گفت وشنید میں اساسی رول حاصل ہو۔ اور اس معاہدہ کے راستے میں حائل بہت سی رکاوٹوں کا سامنا تھا، چنانچہ چاڈ سوڈان کے ساتھ مراسم بنانے کیلئے مصروف ہے۔ اسی طرح وہ تحریک کے بعض مواقف میں لچک لانے میں کامیاب ہوگیا۔ نیز برطانیہ نے یہ معاہدہ قطر میں مکمل کروانے کیلئے اپنی کوشش صرف کی، وہ قطر جس کی برطانیہ کے ساتھ دوستی مشہور ومعروف ہے، اور قطر نے اس معاہدہ کی تکمیل کی خاطر سوڈان اور اس تحریک کو مالی لالچ بھی دی، یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ 17/2/2009 میں حکومت اور تحریک عدل ومساوات کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا جسے ''فریم ورک معاہدہ'' یا ''خیر سگالی اور بحالی اعتماد معاہدہ'' کا نام دیا گیا۔

لیکن امریکہ اپنے نرم لہجے کے باوجود اس کی طرف توجہ نہیں دے رہا، وہ اس کو ایک احتمال سمجھتا ہے، جیسا کہ امریکی سفیر نے معاہدے پر دستخط ہوجانے کے بعد اقوام متحدہ میں کہا کہ ''ہوسکتا ہے یہ معاہدہ امن کی طرف ایک شائستہ قدم ثابت ہوجائے'' (شرق اوسط 18/2/2009)

تاہم اس کے باوجود چونکہ امریکہ نے بھی حکومت کے ساتھ معاہدہ کرکے اس کے نتائج اور اثرات کو معطل کردیا اور اس کو اس کے مندرجات سے خالی کرکے رکھ دیا ہے، اس طرح یہ معاہدہ بھی کاغذ کے اوپر ایک سیاہی کی مانند ہے۔ اور اس کی حقیقت بھی ابوجا میں حکومت اور تحریک آزادی سوڈان (مناوی گروپ) کے درمیان سابقہ معاہدہ مئی 2006 کی طرح کی ہوگئی ہے۔ لہٰذا یہ واضح ہے کہ اس سے قبل کہ امریکہ جنوبی سوڈان کی علیحدگی اور وہاں ایسی تنظیموں کی تشکیل دے دے جو فرانس اور برطانیہ کے تابع روایتی تنظیموں کے اثر ورسوخ سے باہر ہوں، تب تک امریکہ کو کوئی بھی ایسا مؤثر معاہدہ قبول نہیں جسے یورپ یا اس کی تشکیل کردہ تنظیمیں کنٹرول کریں۔

2: 9/7/2011 کو باقاعدہ طور پر جنوبی سوڈان کی علیحدگی کا اعلان کیا گیا اور وہ ایک ریاست بن گئی، نتیجتاً اب جنوبی سوڈان اور شمالی سوڈان کے درمیان پیش آنے والا کوئی بھی مسئلہ دو ریاستوں کے درمیان مسئلے کی نظر سے دیکھا جائے گا اور جنہیں اپنے بین الاقوامی روابط کے ساتھ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں رسائی حاصل ہوگی اور دونوں کا بین الاقوامی سطح پر مؤثر کردار ہوگا، خصوصاً امریکہ کے ساتھ، اور اب اُن کا شمار فقط ایک حکومت یا پھر ایک باغی تحریک کے طور پر نہ ہوگا۔ اور اب اس نئی تنظیم ''تحریک آزادی وعدل' ' کے ساتھ ابتدائی مذاکرات کرنے کی وجہ سے امریکہ کیلئے اب دارفور کے مسئلہ کو حل کرنا ممکن ہوگیا ہے۔ اس نئی تنظیم کو امریکہ نے اس معاہدہ پر 14/7/ 2011 کو دستخط ہونے سے کچھ عرصہ قبل ہی تشکیل دیا ہے۔

پہلا قدم یہ تھا کہ امریکہ نے دارفور کی اہم تنظیموں سے علیحدہ ہونے والوں اور ان سے ملنے والے عناصر کی 'تیجانی سسی' کی قیادت میں ایک جگہ اکٹھا کیا، وہ 'تیجانی سسی' جو حکومت کے ساتھ خفیہ روابط کے لیے مشہور ہے اور اس نئی تنظیم کا نام'' تحریک آزادی وعدل' رکھا گیا۔ یہاں تک کہ جب بشیر حکومت کے ساتھ تیجانی کے روابط اور خرطوم میں خفیہ طور پر آنے جانے کا پتہ چلا، تو اس تحریک کے ایک گروپ نے تحریک کی سربراہی سے تیجانی سسی کی

معزولی کا اعلان کر دیا، یہ بات اکتوبر 2010 میں تحریک آزادی وعدل کے نام سے ان کے نشر کردہ بیان میں آئی۔ لیکن اس کے باوجود تیجانی پر کوئی اثر نہ پڑا بلکہ امریکہ اور حکومت کی آشیر باد سے وہ اس تحریک کی مسلسل قیادت کرتا رہا۔

3: امریکہ دارفور کے مسئلہ کے حوالے سے وہی چال چل رہا ہے جو اس نے جنوبی سوڈان کے مسئلہ میں اختیار کی تھی، یعنی وہ بتدریج دارفور کو علیحدگی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اور یہ اس معاہدے کی حقیقت اور اس معاہدے کے امریکی ایڈمنسٹریشن کے ذمہ داران کے ساتھ ساتھ تیجانی کے بیانات سے بھی واضح ہے۔

جہاں تک اس معاہدہ کی حقیقت کی بات ہے، تو اِس میں بڑی طاقتوں کی مداخلت کا جواز رکھا گیا ہے جیسا کہ سیکشن 2 میں دارفور کی علاقائی اتھارٹی بنانے کی بات کی گئی ہے اور اس علاقائی اتھارٹی کی وسیع اختیارات کی حامل ایک 22 رکنی اسمبلی ہوگی، اور اس کا کام خرطوم اتھارٹی کیساتھ مل کر معاہدہ کے مندرجات کو نافذ کرنا ہوگا، اور یہ کہ سوڈانی صدر دارفور اپنا ایک نائب مقرر کرے جو دارفور کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ پورے سوڈان میں اس کا نائب ہو ،جیسا کہ علیحدگی پسند سلوا کیر اور اس سے قبل جان گارنج کا جنوبی سوڈان کے نائب صدر کے طور پر تقرر کیا گیا تھا تاہم اُس کا اختیار پورے سوڈان پر بھی تھا۔ اور اس معاہدہ میں 67 ارکان پر مشتمل علاقائی اتھارٹی کی ایک قانون ساز اسمبلی کی تشکیل اور افریقی یونین اور اقوام متحدہ سے مبصرین کی شرکت سے خصوصی عدالتوں کے قیام کی بات بھی کی گئی ہے، اور اس پر بھی اتفاق کیا گیا ہے کہ دارفور کو ایک صوبہ یا ایک سے زائد کئی ریاستیں بنانے پر دارفور اتھارٹی کے تحت ریفرنڈم کروایا جائے اور معاہدے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے امریکہ ،برطانیہ ، فرانس ،روس چین ،جاپان کینیڈا اور عرب لیگ ،افریقی یونین اور اقوام متحدہ ،قطر اور سوڈانی حکومت اور دارفور اور چاڈ کی تنظیموں پر مشتمل ایک میکانیزم تیار کیا جائے۔ 100 صفحات کا یہ معاہدہ انسانی حقوق، عوامی آزادی یہاں تک کہ اختیارات کی تقسیم، نیز مالیاتی وفاقی نظام ،مال ودولت کی تقسیم، مسلح افواج ، پولیس ،کسٹم ،سرحدی محافظین، اور دارفور اور دیگر سرکاری ایجنسیوں میں انصاف قائم کرنے ، بے گھر ہونے والے لوگوں کی واپسی ، پناہ گزینوں اور معاوضوں کے مسئلے اور متعلقہ زمین کے انتظام اور قدرتی وسائل سے متعلق مسائل کے حل پر مشتمل ہے، اسی طرح تیل کے شعبے کے انتظام اور دارفور کیلئے خصوصی عدالت کا قیام جو انسانی حقوق اور بین الاقوامی انسانی قوانین کی خلاف ورزیوں کے بارے میں، جو دارفور میں 2003 میں کی گئیں ، فیصلہ کا اختیار رکھتی ہو عمل میں لایا جائے گا۔

جہاں تک امریکی وزارتِ خارجہ کے عہدیداروں کے بیانات کی بات ہے تو امریکہ کے وزارت خارجہ کے ترجمان مارک ٹونر نے کہا ہے کہ ’’ یہ معاہدہ دارفور کے بحران کے حل کی طرف پیش قدمی ثابت ہوگی‘‘ اور مزید کہا کہ ’’ہم دیگر مسلح دھڑوں پر بھی مسلسل دباؤ ڈالیں گے جو بات چیت میں شرکت کو مسترد کرتے ہیں تا کہ امن عمل کو مکمل طور پر چلایا جا سکے۔‘‘ اور امریکی ترجمان نے خرطوم پر بھی زور دیا کہ وہ دارفور میں مکمل امن تک پہنچنے کیلئے بات چیت جاری رکھنے کے بارے میں اپنی خواہش کا کھل کر اظہار کرے۔ (الجزیرہ 2011/7/15)

پس امریکا اس کو آخری معاہدہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ دارفور کے بحران کے دائمی حل کی طرف ایک قدم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امریکا دراصل یہ کہتا ہے کہ وہ اس کے بعد اور اقدامات بھی کریگا جو سوڈانی حکومت کو پے در پے دستبرداری کی پیشکشوں پر مجبور کرینگی ، یہاں تک کہ دائمی حل تک پہنچا جائے ،جس کی حقیقت کے بارے میں امریکا نے اب تک اعلان نہیں کیا، لہٰذا یہ تمام معاہدات ایک قدم ہی ہیں ۔ چنانچہ دوسرے اقدامات اس سے زیادہ ہیں کہ صوبہ دارفور وسیع اختیارات کے ساتھ اپنے مستقل حکومت کے فوائد حاصل کرے، اور اس کا مطلب بس یہ ہے کہ نیواشا معاہدے کی طرح ایک اور معاہدہ کر کے اہالیان دارفور کو حقِ خود ارادیت دلوا کر پھر اس پر ریفرنڈم کروا کے بالآخر سوڈان سے دارفور کی علیحدگی تک بات پہنچائی جائے۔ جنوبی سوڈان میں بھی اسی وجہ سے علیحدگی کروائی گئی ۔ اِس کو امریکی وزارتِ خارجہ کے ترجمان کی بات سے سمجھا جاسکتا ہے جہاں پر وہ خرطوم میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس چیز کے بارے میں اپنی خواہشات کا اظہار کرے، جس کو انہوں نے دارفور میں مکمل امن کا نام دیا ہے، یعنی یہ کہ خرطوم میں حکومت یکے بعد دیگرے دستبرداریوں کیلئے تیار ہو جائے، یہاں تک کہ امریکہ کا مطلوبہ مکمل امن وجود پذیر ہو جائے کیونکہ وہ خرطوم میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ گفت وشنید کے جاری رہنے کے حوالے سے اپنی خواہشات کا اظہار کرے، بالفاظ دیگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دوحہ معاہدہ ناکافی ہے اور مکمل امن تک پہنچنے کیلئے بات چیت کا تسلسل سے جاری رہنا ضروری ہے۔

پس امریکہ تحریک آزادی وعدل اور اس کے صدر کا قد کاٹھ بڑھانے کیلئے کام کر رہا ہے، تا کہ وہ بھی جنوبی سوڈان کی عوامی تحریک کی طرح ہو جائے جو امریکہ کی کٹھ پتلی اور اس کی ہدایات کے مطابق چلنے والی جماعت ہے۔ اور بعید از قیاس نہیں کہ دارفور کی علاقائی اتھارٹی کا صدر اور سوڈانی نائب صدر اسی تنظیم سے مقرر کئے جائیں۔ اسی طرح اتھارٹی کو اہم مناصب سونپے گا تا کہ امریکہ دارفور کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی ضمانت حاصل کرے اور اس کی بھاگ ڈور اُسی کے ہاتھ میں ہو۔

اور جہاں تک تیجانی سسی کے بیانات کا تعلق ہے، جو کہ تحریک آزادی وعدل کا صدر ہے تو اس نے معاہدہ کے اوپر دستخط کو سراہتے ہوئے کہا: ’’یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کا مقصد علاقے میں امن واستحکام لانا ہے‘‘ اُس نے مزید کہا کہ ’’یہ وہ تاریخی لمحہ ہے جو جنوبی سوڈان کی علیحدگی اور ایک آزاد ریاست کے اعلان کے مطابق ہے اور کوئی شک نہیں کہ ان دو واقعات کا اس صورتحال کیساتھ گہرا تعلق ہے جس میں سوڈان کے مسائل کا حل ہو جائے گا‘‘ (افریقہ ٹوڈے 15/7/2011)۔ دیکھئے تیجانی سیسی دارفور سے متعلقہ معاہدے پر دستخط اور جنوبی سوڈان کی علیحدگی کے واقعے نیز اس کی ریاست کے اعلان کے درمیان تعلق کو ظاہر کر رہا ہے اور سوڈان کے اندر مسائل کے حل کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ سوڈانی صوبوں کی علیحدگی کا امکان اور سوڈانی حکومت کا اس کو قبول کرنا ہے، کہ سوڈانی حکومت اسی طرز پر امور طے کرے جیسا کہ جنوبی

سوڈان کا معاملہ حل کر دیا گیا۔ اور یہ اس طرح کہ جو صوبہ سوڈان سے علیحدگی چاہتا ہے اس کو آہستہ آہستہ معاہدات کے ذریعے یہ حق دیا جائے۔ جیسا کہ نیواشا کا معاہدہ ہوا۔ اور اسی طرح یہ اشارہ بھی دیا کہ تحریک آزادی وعدل بالآخر صوبے کی جدائی اور اس کا ایک علیحدہ ریاست کے اعلان میں جنوبی سوڈان میں ہونے والے واقعے کی ہوبہو تقلید کریگی۔ عمر البشیر کی قیادت میں سوڈانی حکومت اور ان کے ہم نواؤں کے ہاں سوڈان کے مسائل کا حل جو کچھ تیجانی سسی نے سمجھا ہے، بہت سے سیاسی لوگ وہی سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ آہستہ آہستہ دستبرداری اختیار کی جائے اور اس صوبہ کو حق خودارادیت دی جائے جو علیحدہ ہونا چاہتا ہے اور پھر اس پر ریفرنڈم کروایا جائے اور اس کے بعد علیحدگی ہوجائے اور سوڈان کی باقیات پر ایک نئی چھوٹی ریاست کا اعلان کیا جائے۔

اس طرح امریکہ جیسا کہ جنوبی سوڈان کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہوا ہے، اسی طرح دارفور کی بھاگ ڈور سنبھالنے اور فرانس اور برطانیہ کو اس سے دور رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اوران کو اوران کے ایجنٹوں کو چاڈ اور قطر میں مشترکہ تقریبات میں دستخط کرتے اور جھوٹے گواہ بنتے چھوڑا، نیز یہ کہ یہ ممالک ضروری اخراجات اور بے گھر ہونے والوں کو معاوضہ کی ادائیگی میں شریک رہیں۔ خاص طور پر قطر جو برطانوی مفادات کیلئے ایک خاص کردار ادا کر رہا ہے۔ اوران کا سب سے بڑا کردار جو انکو دیا جانا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ ان کو امریکی فیصلوں پر عمل درآمد کی مانیٹرنگ میکانیزم کی کمیٹی میں لیا جائے، یعنی ان کی حیثیت علاقائی نگرانوں کی ہو جو امریکی فیصلوں کو نافذ کریں، جیسا کہ دارفور سے متعلقہ اس آخری دستاویز پر دستخط کے وقت ہوا۔

چنانچہ امریکہ اب عمر البشیر حکومت پر دباؤ کے تمام کاغذات کو محفوظ رکھتا ہے اور دارفور میں کھیل کھیلنے کی بھاگ ڈور چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب اسکے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ بلا تاخیر دیگر دھڑوں پر، جو مذاکرات میں شرکت کو مسترد کرتے ہیں دباؤ ڈالے گا۔ یہ ان تحریکوں کیلئے امریکہ کی طرف سے ایک دھمکی آمیز لہجہ ہے، یعنی امریکہ دیگر باغی گروپوں کے معاملہ کو مختلف طریقوں سے حل کرنے پر کام کرے گا یہاں تک کہ ان کو اپنے ارادوں کے تابع بنائے، خواہ دھمکیوں سے ہو یا پھر لالچ دلا کر یا اِن کو نظر انداز کر کے، یا ان کو کرش کر کے یا اس کے کردار کو ختم کر کے کہ اس کا کوئی قابل ذکر وجود نہ رہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ دارفور میں نام نہاد ''دوحہ امن دستاویز'' پر تب ہی دستخط کئے گئے جب امریکہ نے اس میں اپنا وزن ڈال دیا۔ امریکی صدر نے آخری مہینوں میں سوڈان کیلئے اپنا خصوصی ایلچی بریسنن لیمن کو دارفور کے حوالے سے اپنے سینئر مشیر ڈین سمیتھ کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ دوحہ مذاکرات میں شرکت کرے یہاں تک کہ دستخط لے لئے گئے، اور اس دن امریکی وزارت خارجہ نے ایک بیان جاری کیا جس میں دوحہ کیلئے امریکی ایلچیوں کے بھیجنے کے امریکی ادارے کی اس اقدام کو بیان کیا کہ'' سوڈانی حکومت اور دارفور کی مسلح تحریکوں کو اس پر ابھارنا کہ وہ سیاسی تصفیہ اور فوری فائر بندی کیلئے، دوحہ مذاکرات کی ان باقی ہفتوں کو استعمال کریں، نیز دارفور کے خطے میں انسانی اور امن کی شرائط کو بہتر کرنے کیلئے فوری قدامات کئے جائیں۔ (کونا 30/4/2011) یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ امریکہ ہی تھا جو سوڈانی حکومت اور دارفور میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اس معاہدے کے پیچھے کارفرما تھا تاکہ دارفور کے معاملہ میں زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے لے اور فرانس و برطانیہ کا اثر ورسوخ اس سے ختم کرے۔

5۔ یقیناً یورپ (فرانس اور برطانیہ) نے اس معاہدے میں امریکہ کی کامیابی اور اس میں اپنا وزن ڈالنے کو محسوس کیا ہے اور اس لئے اس کوشش میں ہے کہ باغی گروپس بالخصوص تحریکِ عدل و مساوات اپنا سخت لہجہ نرم رکھیں۔ چنانچہ اس تحریک کے ترجمان جبریل آدم بلال نے معاہدے پر اسکی موجودہ شکل میں اپنے تحریک کے دستخط کے انکار کا اعلان کرتے ہوئے کہا ''یہ معاہدہ امن عمل اور مسائل کے بارے میں بحث و تمحیص کیلئے ایک اساس تو ہوسکتا ہے البتہ یہ کوئی آخری دستخط نہیں''۔ انہوں نے کہا کہ ''سلامتی کونسل یہ تو کہتی ہے کہ یہ دستاویز امن کیلئے اساس تو فراہم کرتی ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بات نہیں کریگی کہ یہ معاہدہ ان حالات میں دستخط کرنے کے قابل ہے، اور اس نے تمام جماعتوں کو کم سے کم وقت میں امن حاصل کرنے پر زور دیا (افریقہ ٹوڈے 14/7/2011)۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ تحریک بعد میں دستخط کرے کیونکہ دستخط نہ کرنے والی تحریکوں کو تین ماہ کا وقت دیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ معاہدوں پر دستخط میں شرکت کریں جس کے ذریعے بشیر حکومت خرطوم میں مزید دستبرداریاں اختیار کریگی اور مستقبل میں وہ اس کی پیشکش پر مجبور ہوگا اور خصوصاً جب اس تحریک کو دارفور کی جدید سیاسی سیٹ اپ میں اپنے پسندیدہ سیٹیں دے دی جائیں۔ اور یہ واضح ہے کیونکہ تحریک یہ سمجھتی ہے کہ عہدے نام نہاد تحریک آزادی وعدل کے حصے میں آئیں گے جو باغی گروپوں سے علیحدہ ہونے والوں سے ملکر بن گئی ہے جس کی قیادت تیجانی سسی کر رہا ہے۔ اور تحریک یہ سمجھتی ہے کہ وہ بہت سے مناصب کو جس میں دیگر باغی جماعتیں بھی مسابقت کر رہی ہیں حاصل نہیں کر پائیگی۔ تحریک کے ترجمان جبریل آدم نے دوحہ دستاویز کے بارے کہا کہ ''یہ روزگار تقسیم کا معاہدہ ہے جو اس پر دستخط کرنے والوں کو سفارتی نوکریاں دے گا۔ اور دارفور کے حقیقی مسائل کے حل میں ناکام رہے گا (AFP 14/7/2011)

تاہم فرانس نے جب دیکھا کہ اگر اس کے ایجنٹ دستخط نہ کریں تو شاید اسے نقصان اٹھانا پڑے گا تو تب وہ ان کو دستخط کرنے کا کہے گا، بالخصوص تحریک عدل و مساوات کو تاکہ وہ بھی اس معاہدہ پر دستخط کرے، اس کے بعد کہ دارفور کی علاقائی اتھارٹی میں اس کے ساتھ من پسند عہدے دینے کا وعدہ کرے یا پھر کوئی دوسرا معاہدہ کیا جائے جس میں کچھ ترامیم کی جائیں تاکہ اپنے بھڑکائے ہوئے دارفور کے معاملے میں سب کچھ گنوا نہ بیٹھے اور امریکہ کیلئے اسے اس میں نقصان اٹھانا پڑے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس تحریک کا وفد دوحہ میں موجود تھا لیکن وہ رسمی طور پر گفتگو میں شریک نہیں ہوا۔

اور استعماری ریاستوں سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اپنے ایجنٹوں سے اپنا موقف یکسر تبدیل کروائے یا پھر اپنے فائدے کو دیکھتے ہوئے انہیں بالکل ہی باہر

پھینک دے۔ جب اُسے اِس بات کا ادراک ہوا کہ تحریک انصاف و ترقی کے ساتھ مزاکرات کے دوران دارفور میں امریکہ کا پلہ بھاری تھا وہ تحریک جسے امریکہ نے ہی گزشتہ سال کے درمیان منظم کیا، اور بشیر کو ان کے ساتھ سب سے پہلے مارچ 2010 میں ابتدائی معاہدہ کرنے پر مجبور کیا، اور جب برطانیہ نے اِس بات کا ادراک کیا اور دارفور کے مسئلے میں اپنا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ صدر بشیر، خلیل ابراہیم کو تحریک عدل ومساوات کے صدر کے طور پر قبول نہیں کرنا چاہتا تھا، تو اُس نے بشیر سے رابطہ کیا اور چاڈ کو ہدایت کی کہ وہ تحریک عدل و مساوات کے سربراہ خلیل ابراہیم کو لیبیا کی طرف جلاوطن کردے، جہاں پر اُس کا ایجنٹ قذافی حاکم ہے۔ جب کہ خلیل ابراہیم وہ شخص ہے جس نے اپنی ساری زندگی فرانس اور چاڈ کی خدمت گزاری میں کھپادی اور فی الحال وہ طرابلس میں قذافی حکومت کے پاس منحوس قسم کی مہمانی کے دن کاٹ رہا ہے اور وہ ایک ایسے تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہے کہ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا کہ وہ کیا کرے۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے کہا، کوئی بعید نہیں کہ فرانس اور پھر اس کے بعد تحریک عدل ومساوات دستخط پر متفق ہوجائیں، اس کے بعد کہ اسے معین عہدے دیئے جائیں اور اس معاہدہ پر چند مزید ترغیبات دی جائیں اگرچہ یہ ترغیبات علامتی طور پر ہی کیوں نہ ہوں۔

تاہم یورپ (فرانس اور برطانیہ) آسانی سے یہ تسلیم نہیں کریگا کہ دارفور کا مسئلہ صرف امریک کے ہاتھ میں رہے جیسا کہ جنوبی سوڈان کے مسئلے میں ہوا ہے، اور یورپ نے اگرچہ اس معاہدہ کے حوالے سے اپنے موقف میں نرمی لے آیا ہے، بلکہ اگر وہ تحریک عدل ومساوات کو دستخط کا حکم بھی دیدے، تو اسکا مطلب بس اتنا ہی ہے کہ سیاسی حالات میں وقفہ لایا جائے یہاں تک کہ یورپ کو اس معاہدہ کو توڑنے کا مناسب موقع مل جائے، تاکہ یہ ایک نہ تھمنے والی پریشانی بن جائے، جس کے ذریعے وہ دوبارہ دارفور کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکے اگرچہ یہ چند چیزوں میں ہو، جیسا کہ شروع میں اس نے اس مسئلہ کو پیدا کیا۔

6: آخری بات یہ ہے کہ یہ پریشان کن اور دردناک امر ہے کہ یہ حکمران اپنے ملک کو ٹکرے ٹکرے کررہے ہیں اور اِنہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے کوئی شرم نہیں آتی، چنانچہ سوڈان کی حکومت دن دیہاڑے جنوبی سوڈان سے دستبردار ہوگئی اور اس کے رسمی اعلان سے ایک دن پہلے ہی اس کی علیحدگی کا اعتراف کرلیا، جبکہ امریکہ نے ابھی تک اسکو تسلیم نہیں کیا تھا، تاکہ وہ جنوبی سوڈان کی علیحدگی کے جرم کا سب سے پہلے اعتراف کریں اور سب سے پہلے اس نے اتفاق کیا اور پورے سوڈان اور اس کے باشندوں کی نمائندہ حکومت کے صدر کی حیثیت سے اس نے پہلے مبارک باد دی، تاکہ جنوبی سوڈان کی علیحدگی کو مقامی، صوبائی اور بین الاقوامی سطح پر قانونی حیثیت دی جائے...

پھر ہر قسم کی شرم سے عاری عمر البشیر بذات خود جنوبی سوڈان گیا تاکہ علیحدگی کے جرم کی تقریبات میں شرکت کرے اور اسے اپنے گناہ پر کوئی ندامت یا احساس نہ تھا، اور یوں اُس نے اِس بات کی حوصلہ افزائی کی اور وہ دروازے کھول دیئے جس سے اِسی طرز پر مزید ٹکرے کئے جاسکیں۔

اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دارفور کا مسئلہ کس نہج پر پہنچ چکا ہے، یعنی اندرونی خود مختاری جو بالکل جنوبی سوڈان کی طرز پر آگے بڑھے گی...

یقیناً مسلمانوں کے ممالک میں موجود نظام ہمیں تباہی کی طرف لے کے جارہے ہیں... جب تک ان کی جگہ مسلمان خلافت قائم کرنے کیلئے انتھک کوشش نہیں کریں گے جو اِن حکمرانوں کی جگہ لے گی، اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہمارے ملکوں کی تقسیم کو کوئی نہ روک سکے گا بلکہ ہماری سرزمینوں کے بار بار ٹکرے در ٹکرے کئے جاتے رہیں گے...

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

''جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہوکر سنتا ہے اس کے لیے اس میں نصیحت ہے''

(ق:37)

19 شعبان 1432ھ

20 جولائی 2011ء

⊗⊗⊗

بقیہ: افغانستان میں امریکہ کا مستقبل

کے شہر میں ایک کانفرنس کو سپونسر کیا، جس میں OIC سمیت بین الاقوامی تنظیموں اور 46 سے زائد ممالک نے حصہ لیا، حتیٰ کہ ایران نے بھی پہلی بار شرکت کی، اِس موقع پر امریکہ کے نمائندے ہالبروک نے کہا کہ ''ایران کو افغانستان میں ایک اہم کردار ادا کرنا ہے''... اور اب پنٹاگون کی تمام تر توجہ اِس بات پر مرکوز ہے کہ پاکستان پر دباؤ بڑھا کر اُسے قبائلی علاقوں میں اپنی افواج میں اچھا خاصا اضافہ کرنے پر مجبور کیا جائے تاکہ وہ وہاں پر رہنے والے جنگجوؤں سے نبٹ سکیں۔ پشتون مزاحمت میں دراڑیں ڈالنا اور کچھ افغان طالبان کو افغان حکومت میں شامل کرنا امریکہ کی ضرورت ہے تاکہ افغان قبضے کو زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنایا جاسکے اور اُن کے لیے فوجی موجودگی کے خطرے کو کم کیا جاسکے۔ لیکن پاکستان کی فوج انڈیا کے خطرے اور سیلاب کے بحران کے دباؤ کی وجہ سے قبائلی علاقوں میں مزید فوجی تعینات کرنے میں ہچکچا رہی ہے۔

امریکہ نے اِس طریقے سے ڈرون حملوں میں اضافہ کردیا ہے کہ یہ حملے پاکستان میں موجود اُن کے ایجنٹوں کے لیے بھی اشتعال انگیزی کا سبب بن رہے ہیں۔ امریکہ نے اپنے حملوں کا نشانہ صرف قبائلیوں تک محدود نہیں کیا بلکہ پاکستانی فوجیوں کو بھی اِس کا نشانہ بنا ڈالا، جو کہ حکمرانوں کے لیے اتنا باعث شرم تھا کہ وہ افغانستان کے ساتھ پاکستان کی سرحد کو بند کرنے پر مجبور ہوگئے کہ جہاں سے نیٹو کی سپلائی لائن گزرتی تھی، اگرچہ یہ صرف لوگوں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے عارضی طور پر ہی تھا... چنانچہ یہی وجہ تھی کہ بعد میں اِس کو دوبارہ کھول دیا گیا...

مزید ہزاروں امریکی فوجی افغانستان بھیجنے، پاکستان کے ایجنٹ حکمرانوں کے امریکی گٹھ جوڑ اور ڈرون حملوں میں اضافے حتیٰ کہ ماڈریٹ اور غیر ماڈریٹ طالبان کے ساتھ مزاکرات کے باوجود بھی امریکہ ابھی تک افغانستان کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ امریکہ جان چکا ہے کہ وہ افغانستان میں اپنی عزت کو محفوظ نہیں بنا سکے گا حتیٰ کہ باعزت انخلا بھی ممکن نہیں، سوائے یہ کہ افغان مزاحمت کے کچھ حصے کو توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے، یعنی جس طرح عراق میں سہوت منصوبے کو عملی جامہ پہنایا گیا اسی طرح کا منصوبہ افغانستان میں بھی دہرایا جائے۔ تاہم نظر آتا ہے کہ امریکہ اِس معاملے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکا... چنانچہ امریکہ بد سے بدتر کی طرف رواں دواں ہے۔

12 ذیقعدہ 1431ھ   20 اکتوبر 2010ء

⊗⊗⊗

اے افواجِ پاکستان کے مخلص افسران!

افواجِ پاکستان کے خلاف غدار حکمرانوں کی صلیبی جنگ کو روکو

11 ستمبر 2001ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کے بعد سابق امریکی صدر جارج بش نے اسلامی علاقوں پر ایک طویل صلیبی جنگ کا آغاز کر دیا۔ 16 ستمبر 2001ء کو کیمپ ڈیوڈ میں صدر بش نے اعلان کیا: ''یہ صلیبی جنگ، یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کافی عرصہ جاری رہے گی''۔ ماضی کی صلیبی جنگوں کی مانند امریکہ کی اس نئی صلیبی جنگ کا ہدف بھی مسلمانوں کو کمزور کرنا اور ان کے علاقوں پر قبضہ جمانا ہے۔ تاہم حالیہ صلیبی جنگ میں نئی چیز یہ ہے کہ اس صلیبی جنگ میں کفار نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا ہے، بجائے یہ کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف یکجا ہو جاتے۔ اور اگر مسلمانوں کی قیادت میں غدار موجود نہ ہوتے تو یہ صلیبی جنگ کب کی ناکام ہو چکی ہوتی۔

آج پاکستان کے حکمرانوں کی غداری اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ وہ پاکستان کی مسلح افواج کی قوت و صلاحیت کو ضرب لگانے کے لیے امریکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں اور ان کی مسلح افواج کے درمیان رخنہ اور دشمنی پیدا کر رہے ہیں۔ انہوں نے امریکہ، اس کی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ساتھ معاہدات طے کیے ہوئے ہیں کہ پاکستان کی افواج میں دشمن امریکہ کو کھلی رسائی فراہم کی جائے گی تا کہ امریکہ پاکستان کے حساس فوجی مقامات کے متعلق اہم معلومات جمع کر سکے، ان مقامات میں پاکستانی افواج کا ہیڈ کوارٹر (جی ایچ کیو) بھی شامل ہے۔ پھر اس انٹیلی جنس معلومات کے ساتھ امریکہ ریمنڈ ڈیوس جیسے لوگوں کے ذریعے کمزور تنظیمی ڈھانچے والے طالبان کے اندر اپنے لوگ داخل کر کے پاک فوج کے خلاف حملے کرواتا ہے۔ دوسری طرف غدار حکمرانوں نے بذریعہ پاکستان افغانستان میں امریکہ کے لیے سپلائی لائن کو برقرار رکھا ہوا ہے، حالانکہ امریکہ نے افغانستان میں بھارتی انٹیلی جنس 'را' کو کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، جو بلوچستان، قبائلی علاقوں اور دیگر جگہوں پر فتنے کی آگ بھڑکا رہی ہے۔ پاکستان کے غدار حکمرانوں نے پاکستان میں امریکہ کو ائیر فورس سہولیات فراہم کر رکھی ہیں، کہ جن کی بنا پر امریکی ڈرون طیارے اڑان بھرتے ہیں اور قبائلی علاقے کے مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

پاکستان کے دورے پر آنے والے امریکی جرنیلوں کی نگرانی میں یہ غدار حکمران قبائلی علاقوں میں تباہ کن فوجی آپریشن کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان بے گھر ہو چکے ہیں اور اس کے بعد وہ نہایت بے شرمی سے انہی بے گھر افراد کے لیے پاکستان کے عوام سے چندہ اکٹھا کرتے ہیں۔ نیز انہوں نے پاکستانی فوج کے انٹیلی جنس ادارے آئی ایس آئی (ISI) کو اس بات سے روک رکھا ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف مزاحمت کے لیے مخلص مسلمانوں کو یکجا کریں، چنانچہ ان حکمرانوں نے آئی ایس آئی کو اس کام پر لگا رکھا ہے کہ وہ مجاہدین کی زندگی اجیرن کرے، تا کہ بالآخر مجاہدین کفار کا تر نوالہ بن جائیں۔

پاکستان کے غدار حکمرانوں کے امریکہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کے نتائج وہی ہیں جو کہ امریکہ کے اہم پالیسی مشیر جارج فریڈمین (George Friedman) نے اپنی کتاب ''اگلے سو سال'' میں بیان کیے ہیں، اس نے کہا: ''امریکہ نے اسلامی زلزلے کے خلاف جوابی اقدامات کیے - امریکہ ایک عظیم اسلامی ریاست کو ابھرنے سے روکنا چاہتا تھا... جب تک مسلمان ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، امریکہ کو جیت حاصل ہو رہی ہے''۔ یوں امریکہ اور ان غدار حکمرانوں نے پاکستانی فوج، جو دنیا کی مضبوط ترین افواج میں سے ہے، کو فتنے کی لاحاصل جنگ کے جال میں پھنسا دیا ہے، جس میں ہزاروں فوجی اور سویلین مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں۔ اور انہوں نے مسلم ادارے آئی ایس آئی کو صلیبیوں کا لچکدار ہتھیار بنا دیا ہے، جو ماضی میں اپنی طاقت کی بنا پر بھارتی انٹیلی جنس 'را' اور اس کی اتحادی ایم آئی سِکس MI6 کے دلوں کو لرزایا کرتا تھا۔

جو چیز پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف ان حکمرانوں کی غداری کو مزید سنگین بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ آج بھی پاکستان کے حکمرانوں کے پاس یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اسلام، امتِ مسلمہ اور ان کی ریاست کے خلاف امریکہ کی جنگ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کر سکتے ہیں، مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ اگر پاکستان کے حکمران امریکہ کی صلیبی جنگ میں مہیا کی جانے والی فوجی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں، پاکستان میں موجود امریکی اڈے بند کر دیں اور افغانستان میں موجود امریکیوں کو فراہم کی جانے والی سپلائی لائن کاٹ دیں تو چند ہی دنوں میں پاکستانی افواج کے سامنے امریکہ کی طاقت کا پول کھل جائے گا، وہ فوج کہ جس کے سپاہی شہادت کی موت کو اتنا ہی پسند کرتے ہیں کہ جتنا بزدل کفار دنیا سے محبت کرتے ہیں۔ اگر یہ حکمران مسلمانوں کی ریاستِ خلافت کے قیام کے لیے نُصرہ (عسکری مدد) فراہم کر دیں تو اگلے چند گھنٹوں میں ہی پاکستان کی مسلح افواج اس قابل ہوں گی کہ وہ قبائلی علاقوں، بلوچستان اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں کو یکجا کرنے کا آغاز کر دیں تا کہ کابل، ڈھاکہ، تاشقند اور اسلام آباد کو جوڑ دیا جائے، اور صلیبیوں اور ہندو ریاست کو ہزیمت سے

دوچار کیا جائے۔

تاہم دشمنوں کے خلاف، مسلمانوں کے ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا ہونے کی راہِ ہموار کرنے کی بجائے ان غداروں نے کفار کے ساتھ ہاتھ ملا لیے ہیں، اور مسلمانوں، ان کی مسلح افواج، مسلمانوں کی ریاست خلافت کے قیام، اور مسلمانوں کی جماعت حزب التحریر کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اور وہ سرزمین کہ جسے اللہ نے بے پناہ وسائل، اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمانوں اور مضبوط مسلح افواج سے نوازا ہے، اس سرزمین کو ان غداروں نے میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا ہے اور ذلت و مایوسی کے اندھیرے میں دھکیل دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَى اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ o جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر پہنچا دیا، یہ لوگ جہنم میں جلیں گے اور یہ رہنے کے لیے کیا ہی بری جگہ ہے" (ابراھیم: 29-28)

پس یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اس عظیم غداری اور کفار کے ساتھ انتہائی وفاداری کے صلے میں جنرل اشفاق پرویز کیانی کو چیف آف سٹاف کے عہدے پر مزید تین سال عطا کیے گئے، بالکل اسی طرح جیسے اس سے قبل غدار مشرف کے عہدے میں بھی امریکہ کی مرضی کے مطابق توسیع کی گئی تھی۔ امریکہ اپنی صلیبی جنگ کے تسلسل کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس بات سے آگاہ ہے کہ جنرل کیانی کئی مرتبہ کفار کے ساتھ اپنی وفاداری کو ثابت کر چکا ہے۔ مشرف کے سیاہ دور میں جنرل کیانی ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز اور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جیسے کلیدی عہدوں پر فائز تھا۔ پس افغانستان پر امریکی قبضے میں مدد فراہم کرنے، لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں قتلِ عام کرنے اور قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن اور ڈرون حملوں کا سلسلہ شروع کرنے میں جنرل کیانی نے مشرف دور میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اور جب فوج کے اندر کیانی کے دوست جنرل مشرف کے خلاف غم وغصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو کیانی نے بذاتِ خود بے نظیر بھٹو اور اس کی پارٹی کے ساتھ ڈیل طے کی تاکہ امریکی جنگ کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔ اور جب مشرف کے خلاف غم وغصہ ٹھنڈا نہ ہو سکا تو اس وقت کے امریکی ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ نیگروپونٹے نے اپنے دورے کے دوران مشرف سے ملاقات سے قبل کیانی سے ملاقات کر کے چیف آف سٹاف کی سِیٹ کیانی کے حوالے کر دی اور پھر مشرف سے ملاقات میں اسے آگاہ کیا کہ اس کے جانے کا وقت آ گیا ہے۔

جنرل کیانی نے اپنے دوست مشرف سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا کہ جسے امریکہ نے اس وقت حقیر چوہے کی مانند بے دخل کر دیا جب وہ امریکہ کے کسی کام کا نہ رہا۔ وہ مشرف کی مانند امریکی منصوبوں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ ایبٹ آباد پر امریکی حملے کے بعد کیانی نے امریکہ کی وکالت میں بذاتِ خود بے پناہ دوڑ دھوپ کی، کہ کسی طرح پاکستان افواج کے اندر دشمن امریکہ کے خلاف اٹھنے والے غم وغصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے فوج میں دشمن کا خوف پیدا کیا جائے۔

آج کیانی امریکہ کے منصوبوں کو آگے بڑھا رہا ہے، جبکہ وہ اپنے متعلق افواجِ پاکستان کو دھوکہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی غداری کو چھپاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾

"اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں" (الممتحنۃ: 1)

اے مسلمانانِ پاکستان!

جب تک یہ غدار حکمران آپ کے سروں پر موجود ہیں، جو مغرب کے اتحادی اور مددگار ہیں، آپ اپنی مسلح افواج کے خلاف جاری اِس صلیبی جنگ سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ صرف ریاستِ خلافت، کہ جس کا خلیفہ صرف اسلام کے ذریعے حکمرانی کرے گا، آپ اور آپکی افواج کو اس کے درست مقام تک لے جائے گی۔ پس اب آپ بھی اٹھ کھڑے ہوں جس طرح لیبیا، شام، ازبکستان اور انڈونیشیا میں آپ کے مسلمان بھائی خلافت کے لیے اٹھ رہے ہیں۔ اٹھو کہ یہ اسلامی زلزلہ ان غداروں کے تخت وتاج زمیں بوس کر دے اور انہیں ہمیشہ کے لیے دفن کر دے۔ حزب التحریر کے بہادر اور باخبر شباب کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور مسلح افواج میں موجود مخلص افسران سے مطالبہ کرو کہ وہ خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم کریں۔

اے پاکستان کی مسلح افواج میں موجود مخلص افسران!

غدار حکمرانوں کی صلیبی جنگ میں ان کا ساتھ دینے سے بچو، جو انہوں نے آپ کے خلاف اور ان لوگوں کے خلاف شروع کر رکھی ہے کہ جن کی حفاظت کی آپ نے قسم کھائی ہے۔ اپنی قیادت میں موجود غداروں کی دنیاوی فائدے کی خاطر اپنی آخرت برباد مت کرو۔ خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کے لیے حزب التحریر و نصرۃ دے کر اپنی امت اور خود اپنی فتح کے لیے کام کرو اور پوری امت کی دعائیں سمیٹ لو۔ اللہ کی مدد کو اپنے ساتھ کر لو اور اللہ سے مایوس نہ ہو جانا، کیونکہ اللہ کے اذن سے تم ہی کامیاب رہو گے اور اپنے دشمنوں پر غالب آؤ گے اور مظلوموں کو نجات دلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

"کمزوری مت دکھانا اور غمگین مت ہونا، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو" (آلِ عمران: 139)

حزب التحریر — 10 ستمبر 2011ء

ولایہ پاکستان — 12 شوال 1432ھ

⊗⊗⊗

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حزب التحریر کے پابندِ سلاسل ممبران کے اہلِ خانہ کی طرف سے اعلامیہ

﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَا اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾

’’اور ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی نے ہمیں سیدھے راستہ بتلایا ہے، اور جو ایذا تم ہمیں دیتے ہو ہم اس پر صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے‘‘

(ابراہیم: 12)

ہم حزب التحریر کے اغوا کردہ ممبران کے اہلِ خانہ ہیں۔ ہم آپ کو یہ یاددہانی کرانا چاہتے ہیں کہ اس وقت حزب التحریر کے چار ممبران بدستور ایجنسیوں کے ہاتھوں یرغمال ہیں۔ ان ممبران کی تفصیلات یہ ہیں:

12 جولائی 2011ء: پاکستان میں حزب التحریر کے نائب ترجمان عمران یوسف زئی، جو کہ اکاؤنٹنٹ ہیں اور دو بچوں کے والد ہیں، کو اسلام آباد سے اُس وقت اٹھالیا گیا جب وہ ایک ٹی وی جرنلسٹ کو انٹرویو دینے جا رہے تھے۔

13 جولائی 2011ء: اسلام آباد کے حیان خان، جو سافٹ ویئر انجنیئر ہیں، اور شادی شدہ ہیں۔ انہیں دفتر جاتے ہوئے ایجنسیوں نے اغوا کرلیا۔

21 جولائی 2011ء: اسلام آباد کے اسامہ حنیف جو ٹیلی کام انجنیئر ہیں اور دو بچوں کے والد ہیں، کو دفتر جاتے ہوئے اٹھایا گیا۔

27 جولائی 2011ء: رحیم یار خان کے ڈاکٹر عبدالقیوم، جو ڈینٹل سرجن ہیں اور چار بچوں کے باپ ہیں، اور حزب التحریر کے ممبر ہیں۔ انہیں ان کے بیٹے کے ولیمے کے دن اغوا کیا گیا۔

ان سب کا کوئی جرم نہیں کہ جس کے لیے وہ جواب دہ ہوں۔ یہ سب پرامن سیاسی اعمال میں مصروفِ عمل ہیں جو کہ حزب التحریر کے اختیار کردہ طریقہ کا خاصہ ہے۔ حزب التحریر نظام کی تبدیلی کے ہدف کے حصول کے لیے پرتشدد اقدامات سرانجام نہیں دیتی اور نہ ہی عسکری جدوجہد کرتی ہے۔

ہم پاکستان کے تمام عادلانہ ذہن رکھنے والے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ پاکستانی حکومت پر دباؤ ڈالنے کی حزب التحریر کی عالمی مہم میں مدد و حمایت فراہم کریں تا کہ ان اغوا کردہ مسلمانوں کا سراغ لگایا جائے اور انہیں فوراً رہا کرایا جائے۔

ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ پاکستان کے اعلیٰ اداروں تک ’’عدل کی آواز‘‘ پہنچائیں۔ ان افراد کے معاملے کو میڈیا، لیگل اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے سامنے اٹھائیں۔ اللہ رمضان کے بابرکت مہینے میں آپ کی کوششوں کا اعلیٰ اجر عطا فرمائے۔

ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اوپر ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کریں

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾

’’اور ایسی ہی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ سخت تکلیف دہ ہے‘‘ (ھود: 102)

10 اگست 2011ء

10 رمضان 1432ھ





Young daughter and grand daughter of Dr. Abdul Qayyum at DPO office Raheem Yar Khan